



www.urdurasala.com

اگلے ہی لمحے گوپی کشن یا جاوید کی روح میرے سامنے تھی۔ اور پھر ہوا میں ارتعاش ہوا اور اس کی آواز مجھ تک پہنچی۔

”چھوٹی سرکار!۔۔۔ میرے مدد کریں۔ میں بہت دکھی اور اپنا راستہ بھولا ہوا ہوں۔“ اسکی آواز میں بلا کر درد تھا۔

”گوپی کشن میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں“ میں نے قدرے تند و تیز لہجے میں جواب دیا۔

”چھوٹی سرکار!۔۔۔ میں گوپی کشن نہیں ہوں۔ میرا نام جاوید ہے۔ اس بد بخت نے میرے جسم پر قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ عرصہ وہ میرے جسم پر قابض رہا اور جب وہ چھوڑ کر گیا تو میرے رشتے داروں نے مجھے مردہ قرار دے کر میرے جسم کو دفن کر دیا۔ جب تک میں اپنے جسم تک پہنچتا میرا جسم منوں مٹی تلے جا چکا تھا۔“ اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔

”اوہو!۔۔۔ تو تم جاوید ہو۔“ میں نے پر خیال انداز میں دہرایا۔

”جی چھوٹی سرکار!۔۔ آپ جب اسے نکالنے آئے تھے تو میں یہی تھا مگر آپ کو ناکام ہوتا دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ اب آپ کی روح کو دیکھا تو سوچا کہ شاید آپ میری مشکل حل کر دیں۔“ جاوید کی روح نے کہا۔ پھر اچانک اس نے کسی خیال سے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”چھوٹی سرکار!۔۔ آپ کی وفات کیسے ہوئی؟“ وہ شاید یہ سمجھا تھا کہ میں مر چکا ہوں۔

”تم میرے بات چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ مجھ سے تم کس قسم کی مدد چاہتے ہو؟“ میں نے بات ٹالتے ہوئے پوچھا۔

”میں پتہ نہیں کب سے یہاں بھٹک رہا ہوں۔ مجھے سکون کی تلاش ہے۔ مہربانی فرما کر مجھے میرے اصل ٹھکانے پر پہنچا دیں جہاں میں نے شاید مرنے کے بعد پہنچنا تھا۔“ جاوید کی روح نے کہا۔

”مگر میں تمہیں کہاں پر پہنچا دوں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

مجھے تو خود نہیں معلوم تھا کہ اس کا اصل ٹھکانا کہاں پر ہے۔
 ”چھوٹی سرکار!۔۔۔ آپ کسی طرح پتہ لگائے۔ میں اسی طرح
 کب تک بھٹکتا رہوں گا۔“ جاوید کی روح نے التجا کی۔
 ”اچھا میں کچھ کرتا ہوں تمہارے لیے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ گوپی کشن کی
 روح تمہارے جسم میں کیسے قابض ہوئی تھی؟“ میں نے موضوع کی
 تبدیلی کے لیے پوچھا۔

”میرا اپنا ہی قصور ہے جی۔“ اس نے کہنا شروع کیا۔ ”مجھے ہی شوق
 تھا کالاعلم اور جادوؤں نے سیکھنے کا۔ میں کوئی نہ گیا تھا ایک عامل کے
 پاس۔ اس نے کہا کہ مجھے ایک خاص عمل سے اپنی روح کو اس کے
 حوالے کرنا ہوگا۔ اس کے بعد میں بہت ساری طاقتوں کا مالک بن
 جاؤں گا۔ میں نے اس کی ہدایات پر عمل کیا اور اس نے میرے جسم
 سے مجھے نکال کر خود قبضہ کر لیا۔ بس اس وقت سے میں یوں ہی آوارہ

پھر رہا ہوں۔ نہ کوئی گھر ہے نہ ہی ٹکانا۔ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے کوئی نہ کوئی سزا تیار رکھی ہوگی اور میں اس کے لیے تیار بھی ہوں مگر میں وہاں تک کیسے پہنچوں؟“

”اچھا کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ وہ گوپن کشن کہاں گیا؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔ میں تو اس سے دور ہی رہتا تھا۔ وہ بہت ہی خطرناک علوم جانتا تھا۔ پتہ نہیں کب میرے خلاف کچھ کر دے۔“ اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

”دیکھو جاوید!۔۔۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں مرا نہیں ہوں۔ بلکہ ایک چلہ کر رہا ہوں۔ اس لیے مجھے خود نہیں معلوم کہ تمہاری اصل منزل کیا ہے۔ لگتا ہے کہ تم غیر معمولی طور پر اپنے وقت سے پہلے مر چکے ہو اس لئے شاید تمہیں اپنے وقت تک انتظار کرنا پڑے۔ تاہم میں پوری

کوشش کروں گا کہ جتنا بھی ہو تمہاری مدد کر سکوں۔ ابھی میں چلتا ہوں، کچھ دن بعد پھر ادھر ہی آؤں گا۔ تم یہی رہنا۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔“ میں نے صدق دل سے کہا۔

”ٹھیک ہے چھوٹی سرکار!۔۔۔ میں یہی انتظار کروں گا۔“ جاوید کی روح نے کہا۔ اور میں اسے چھوڑ کر پھر ہواؤں میں گھومنے لگا۔ میں نے داداجی سے اس بارے میں مدد لینے کا سوچ لیا تھا۔ پھر مقررہ وقت پر جب میں نے اپنی مشق مکمل کی تو حسب معمول داداجی نرم غذا لیے میرے منتظر تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے میں نے انہیں جاوید کے متعلق بتایا۔

”بیٹا!۔۔۔ پہلی بات تو یہ کہ تم نے وہاں جا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ آئندہ ایسی کوئی حرکت مت کرنا۔ تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ گویا کتنا طاقتور اور خطرناک ہے۔“ داداجی نے فکر مندانہ

انداز میں کہا اور پھر جاوید کے متعلق بات کرتے ہوئے کہنے لگے۔
 ”جاوید نے جادو ٹونے کے چکر میں اپنا یہ حال کیا ہے اور اس کا وہ خود
 ذمہ دار ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں اسے اب اپنی اصل
 موت کے وقت تک ایسے ہی انتظار کرنا ہے۔ تمہاری اور اس کی
 حالت ایک جیسی ہی ہے مگر فرق صرف اتنا ہے کہ تمہارا جسم یہاں پر
 زندہ حالت میں تمہارا انتظار کر رہا ہوتا ہے جبکہ اس کا جسم اپنا وجود کھو
 چکا ہے۔ بس اسے کہوں کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ اس کی
 توبہ کے دروازے ابھی تک بند نہیں ہوئے ہیں۔ بے شک جادو سیکھنے
 کے عمل میں وہ اپنے ایمان سے گیا ہے مگر ابھی بھی اگر وہ صدق دل
 سے توبہ جاری رکھے تو ہو سکتا ہے کہ خدا اس کی غلطی اس کے اصل
 وقت موت تک معاف ہی کر دے۔“
 ”داداجی!۔۔۔ ہم اس کی کچھ مدد کر سکتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کچھ خاص نہیں۔“ انہوں نے جواب دیا۔ ”زندہ انسانوں کی
 روحوں کا عالم ارواح تک جانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ سب سے
 خطرناک بات یہ ہے کہ جاوید نے اپنی روح خود گوپی کشن کے
 حوالے کی ہے اس کا مطلب ہے کہ اب گوپی کشن اس کا مالک ہے۔
 جس طرح جنات انسانوں کے غلام ہو جاتے ہیں اسی طرح کچھ
 طاقتور روہیں بھی دوسرے زندہ انسانوں کی روحوں کو اپنا غلام بنا لیتی
 ہیں اور اس طرح اس سے اپنے جائز اور ناجائز کام کرواتی ہیں۔“
 ”داداجی!۔۔ پھر تو جاوید کو اس خبیث گوپی کشن کے چنگل سے چھڑانا
 اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
 ”واہ بیٹا!۔۔ واہ!۔۔ خود تمہاری اپنی جان داؤ پر لگی ہوئی ہے اور
 ہم خود گوپی کشن سے چھپے بیٹھے ہیں مگر تم جاوید کی روح کو گوپی کشن
 کے چنگل سے چھڑانے کی بات کر رہے ہو۔“ داداجی نے کچھ حیرت

اور کچھ طنز سے کہا۔

”داداجی!۔۔۔ میرا ایمان ہے کہ اگر آپ کسی کی مدد کرنے کی صدق دل سے نیت کر لیں تو خود اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر پھر بھی میری کوشش ہوگی کہ میں کسی نہ کسی طرح جاوید کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلاؤ۔“ میں نے بڑے خلوص سے کہا۔

”داداجی!۔۔۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ارواح کے کون کون سے عمل ہوتے ہیں جیسے آپ عظیم شوالہ کی روح کو یہاں بلا لیتے ہیں اور اسی طرح کیا ہم کسی روح کو اپنا غلام کیسے بنا سکتے ہیں؟“ میں نے پوچھا ”بیٹا!۔۔۔ کسی روح کو بلانے کے لیے ایک خاص قسم کا چلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ روح خود آپ کے پاس آنے کے لئے تیار ہو تو پھر تو کچھ منٹوں میں بات بن جاتی ہے مگر بصورت دیگر آپ کو کئی کئی گھنٹے اور

کبھی کبھار کئی کئی دن لگ جاتے ہیں۔“ دادا جی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”دادا جی آپ مجھے وہ چلہ بتائیں میں عظیم شوالہ سے ملنا چاہتا ہوں۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”بیٹا!۔ میں چلہ تو بتا دیتا ہوں مگر تم پہلے ہی ایک چلے کے عمل کے درمیان میں ہو۔ اگر تم نے چالیس دن ہونے سے پہلے اس چلہ کو درمیان میں چھوڑا یا پھر کسی اور عمل کا چلہ کیا تو پھر یہ خود تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔ مختلف قسم کے روحانی خواص آپس میں الجھ کر تمہاری ذہنی کیفیت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔“ دادا جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ان کی بات سن کر میں نے سر جھکا لیا۔ یقیناً مجھے آہستہ آہستہ یہ عمل سیکھنے تھے۔ جلدی میرے اپنے لیے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ وقت اسی طرح سے گزرتا گیا۔ میں نے اگلی مشق میں جاوید کو جا کر یہ

ساری باتیں بتا دیں۔ وہ بے چارہ بھی انتظار کرنے پر مجبور تھا۔ تاہم میرے روح کے سفر کو اب ایک منزل مل گئی تھی۔ میں اب ساری دنیا میں روحوں سے متعلقہ ماہروں کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ جب کوئی ایسا عامل مل جاتا تو میں اس کی نگرانی میں لگ جاتا اور خاموشی سے یہ دیکھنے کی کوشش کرتا کہ وہ ارواح کو جسم میں سے کیسے نکالتا ہے۔ مگر کوئی قابل ذکر عامل نہ مل سکا۔

تقریباً دو ماہ کے مسلسل ہفتہ بھر کے چلے کرنے کے بعد دادا جی نے اس کی معیاد دو ہفتے تک کردی۔ شروع شروع میں مجھے وہی جسمانی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا مگر پھر جسم عادی ہو گیا۔ اور میں پھر اپنے مشن پر نکل پڑا۔ کچھ عاملوں کے بارے میں، مجھے پتہ چلا مگر وہ سب بہت محدود عملیات والے تھے اور جو کچھ خاص تھے وہ صرف جنات کے چلے مکمل کرنے والے تھے اور جنات کو نکالنے اور ان کو قابو کرنے

کے ماہر تھے۔ بہر حال میں نے اپنی تلاش جاری رکھی۔ اس دوران میں احساس ہوا کہ میری روح کی رفتار بہت زیادہ تیز تھی۔ یقیناً اپنے چلے میں مدت کا اضافہ میری روح کے لئے زیادہ سے زیادہ طاقت کا باعث بن رہا تھا۔

تقریباً چھ ماہ کے عرصے میں، میں چالیس دن کے چلے تک پہنچ گیا اس دوران میں نے کچھ خاص چیزیں نوٹ کیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اب جیسے ہی میں آنکھیں بند کرتا تھا تو وہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی یعنی مجھے کچھ خاص ارتکا ز توجہ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دوسری بات جو میں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ میرے روح کی آنکھیں بہت تیز ہو گئی تھیں۔ میں آسمان پر بہت اونچے مقام پر جا کر تقریباً آدھی دنیا کو دیکھ لیتا تھا اور بہت ہی تیزی سے کسی بھی علاقے میں چلتے ہوئے انسانوں تک کو دیکھ لیتا تھا۔ اسی طرح روح کی رفتار میں بھی بہت

اضافہ ہو گیا تھا۔ اب میں جب چاہتا چند لمحوں میں ساری دنیا کا چکر لگا آتا تھا۔ جب میں نے پہلی بار چالیس دن کا چلہ ختم کر کے دوسری دفعہ چلہ شروع کیا تو ایک واضح فرق میں نے محسوس کیا وہ یہ تھا کہ اب میں انسانوں اور رروحوں کے علاوہ جنات کو بھی اپنے روح کی آنکھوں سے دیکھ سکتا تھا۔ نا صرف جنات کو دیکھ سکتا تھا بلکہ ان کے مکانات اور ان کی آبادیاں بھی اب میری آنکھوں سے اوجھل نہیں تھیں۔

دنیا کے گرد چکر لگاتے ہوئے مجھے صاف طور پر نظر آ جاتا تھا کہ یہ انسانوں کی بستی ہے اور یہ جنات کی۔ پھر جب تیسری بار میں چلہ شروع کیا تو میرے حواس کچھ اور طاقتور ہو گئے۔ اب میں فرشتوں کو بھی دیکھ سکتا تھا۔ جب میں آسمانوں میں چلا جاتا تو مجھے لاتعداد فرشتے آسمان اور زمینوں میں آتے جاتے نظر آتے تھے۔ وہ بہت تیزی سے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہوتے تھے۔ میں نے ان کو

فرشتہ ہونا ان کی کمر پر لگے پروں سے پہچانا۔ دادا جی نے مجھے یہ پہچان بتادی تھی کہ جب بھی کسی غیر مرئی مخلوق کو دیکھو جو صرف اور صرف اپنے کام میں مصروف ہو اور ان کی کمر پر دو پر ہوں تو سمجھ لو کہ وہ فرشتے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق ہے جو کسی خاص کام کے لئے پیدا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جس کام کا علم دیتے ہیں بس اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ نہ تو ان کو اپنے ارد گرد کی کوئی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی علم۔ جیسے وہ مجھے اپنے درمیان محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ مگر میں ان کو ان کے کاموں میں مشغول اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ ان کی رفتار بہت تیز ہوتی تھی ایک دو بار میں نے ان کے ساتھ تیز بھاگنے کی کوشش بھی کی مگر وہ مجھے سے تیز ہی نکلے۔

چوتھی اور آخری بار جب میں چالیس دن کا چلہ کرنے لگا تو دادا جی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کچھ ہدایات کیں۔

”بیٹا!۔۔ آج کا عمل اس لحاظ سے بہت اہم اور مشکل ہے کہ اس عمل میں تمہارے تمام روحانی خواص اپنی اصل قوت پر پہنچ جائیں گے اور اس قوت کے ساتھ وہ تمہارے جسم پر اثر انداز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی دماغ کا ایک حصہ ایسا بھی بنایا ہے جو ان روحانی خواص کا کنٹرول سینٹر ہوتا ہے۔ وہ حصہ اس سے پہلے کبھی حرکت میں نہیں آتا ہے۔ مگر تمہارے اس آخری عمل میں وہ حصہ متحرک ہو کر تمہاری روح کا کنٹرول سنبھالے گا۔ میں تم سے یہ ہی کہوں گا کہ اپنی انتہائے صبر سے کام لینا اور اس چلے کو ہر صورت میں مکمل کرنا چاہیے کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے۔“ دادا جی کا لہجہ بہت ہی سنجیدہ تھا۔ بہر حال میں نے ان کی تمام ہدایات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں اور پھر چلہ کرنے کے لیے اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گیا۔

شروع کے چند دن تو معمول کے مطابق ہی تھے مگر پھر میرے دماغ

میں ہل چل شروع ہو گئی۔ اب حالت یہ تھی کہ میں روح کی حیثیت میں پرواز بھی کر رہا ہوتا تھا اور اپنی جسمانی جگہ پر بھی موجود تھا۔ میرے سر میں مسلسل ہلکے ہلکے درد رہنے لگا جس سے میرے جسمانی خواص مکمل طور پر سوتے نہیں تھے اور میرے جسمانی اور روحانی احساسات ایک ساتھ ہی وقوع پذیر ہو رہے تھے۔ یہ دوہری کیفیت میرے سر درد کا باعث تھی۔ دس دن تک تو ایسی ہی کیفیت رہی مگر پھر درد بہت تیز ہو گئی۔ مجھے اپنا سر پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اور ایک ایک لمحہ گزار نہ مشکل ہو رہا تھا۔ میں اب اپنی روحانی پرواز سے بھی لطف اندوز نہیں ہو پا رہا تھا۔ پھر اس تکلیف نے میری بھوک بھی جگا دی۔ صرف دو ہی دن میں میری یہ حالت ہو گئی کہ میں بے خودی میں چیخنے لگتا تھا۔ ایسی حالت میں اپنے خیالات کو ارتکاز دینا اور پھر روحانی پرواز کرنا تقریباً ناممکن تھا مگر میں ڈٹا ہوا تھا۔ اللہ اللہ کر کے پندرہ دن

گزر گئے۔ سر کے درد میں کچھ افاقہ ہوا تھا مگر اب ایک اور مصیبت نے سراٹھا لیا۔ مجھے اپنے گرد ہر چیز بہت چھوٹے چھوٹے ذرات پر مشتمل معلوم ہو رہی تھی جو نہ صرف زندہ تھے بلکہ مسلسل حرکت بھی کر رہے تھے۔ میری جسمانی آنکھیں تو بند تھیں مگر میری روحانی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ جس پتھر پر میں بیٹھا تھا وہ بھی اسی طرح کی بہت ہی چھوٹے چھوٹے مگر مسلسل حرکت کرنے والے ذرات کا ایک مجموعہ تھا۔ اس چیز نے مجھے بہت بے چین کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ میں اس کا عادی ہوا تو میری روح نے کچھ پرواز کی اور اب میں دیکھ رہا تھا کہ آسمان سے لے کر زمین تک لاتعداد مخلوقات ہواؤں میں بکھری ہوئی تھیں۔ عجیب و غریب قسم کی مخلوقات۔ بہت سی تو ایسی بھی تھیں کہ جن کو دیکھ کر خوف محسوس ہوتا تھا۔ کچھ دن میں نے اسی طرح رنگ برنگ کی مخلوقات کا مشاہدہ کرنے میں گزارا اور پھر شاید وہ بیسواں دن تھا

جب اچانک ان تمام مخلوقات نے مجھے گھورنا شروع کر دیا اور پھر آہستہ آہستہ میرے پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ بہت ہی تکلیف دہ سچویشن تھی۔ میں بس اپنے گارتک ہی محدود ہو گیا اور پھر میں نے دادا جی کی روح کو دیکھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دادا جی کی روح مجھے اپنی روحانی پرواز میں نظر آرہی تھی۔ مگر ان کی روح کے بابت وہ تمام مخلوقات اب مجھ پر حملہ نہیں کر رہی تھیں۔ مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ان مخلوقات کی حملے کی خواہش شدید سے شدید ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کے کچھ دنوں بعد ہی مجھے ایسا لگنے لگا کہ جیسے ساری کائنات کی مخلوقات میرے اوپر دھاوا بولنے لگی ہیں۔ اور پھر انہوں نے یہی کیا۔ دادا جی مجھے بہت بچار ہے تھے مگر وہ ہر طرف سے مجھ پر حملہ آور تھیں اور کوئی نہ کوئی مجھ تک پہنچ ہی جاتی تھی اور پھر میری روح کو زخمی کر رہی تھی۔ جی ہاں وہ نہ دیکھے زخم تھے مگر تھے ضرور۔ میں بہت ہی

خوفزدہ تھا۔ اتنے میں دادا جی کی روح نے میری طرف دیکھا اور مجھے ان کے خیالات سنائی دیئے۔

”بیٹا!۔۔ ہمت مت ہارو۔ ان سے مقابلہ کرو۔ تمہارے پاس بھی ارتکاز کی قوت ہے۔“ ان کی بات سن کر مجھے جیسے ہوش آ گیا۔ پھر میں نے اپنے ارتکاز کی قوت کو آزمایا۔ ایک بہت ہی خوفناک مخلوق جو ہر بار دادا جی کی روح کو چکمہ دے کر میری طرف آ ہی جاتی تھی اس بار جب میری طرف آئی تو میں نے اس پر اپنی توجہ گاڑ دی اور پھر اپنی ارتکاز کی قوت سے اسے دور دھکیل دیا۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ وہ مخلوق بہت تیزی سے مجھ سے دور جانے لگی۔ اس مخلوق کو چہرے پر بے بسی کی آثار جیسے ثبت ہوئے ہوئے تھے۔ پھر کچھ فاصلے پر پہنچا کر میں نے توجہ ایک اور پاس آتی مخلوق پر دی اور اس کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اب میرے ہاتھ اچھا مشغلہ آ گیا تھا۔ دادا جی بہت

ساری مخلوقات کو میرے پاس آنے ہی نہیں دیتے تھے جو آ جاتی تھیں
 انہیں میں دور دھکیل دیتا تھا۔ شاید کچھ دنوں تک یوں نہیں چلتا رہا۔ اور
 شاید وہ تیسواں دن تھا کہ میں خود کو بہت ہی زیادہ تھکا ہوا پا رہا تھا۔ ان
 مخلوقات کو مسلسل دھکیلتے رہنے سے اعصاب جیسے شل ہوئے جا رہے
 تھے۔ اچانک میں نے جھنجلا کر ایک مخلوق کو اپنے پاس آتے دیکھ کر
 اسے وہی معلق کر دیا اور پھر نہ جانے کیوں، غصے سے بھرے ہوئے
 میں نے آگ اگلتی آنکھوں سے اسے گھورا اور دل میں یہ خیال پیدا
 کیا کہ اس کو آگ لگ جائے اور دوسرے ہی لمحے وہ مخلوق آگ میں
 جل رہی تھی اور بری طرح سے اچھل کود کر رہی تھی مگر میری ارتکاز کی
 قوت اسے جکڑے ہوئے تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ جل کر راکھ بن گئی
 اور اس کے ساتھ ہی باقی تمام مخلوقات نے حملے ایک دم سے بند کر
 دیے اور خوفزدہ سے انداز میں مجھے دیکھنے لگیں۔ دادا جی کی روح نے

بھی حیرت بھرے انداز میں مجھے دیکھا۔ اور پھر وہ کہیں گائب ہو گئے۔ اب کسی مخلوق کی ہمت نہ تھی کہ میرے قریب بھی پھٹکتی۔ اس مصیبت سے تو جان چھوٹی تھی مگر جسمانی طور پر میری نقاہت بہت زیادہ بڑھ چکی تھی۔ مجھے یہ دن گزارنے قیامت لگ رہے تھے۔ چلہ ختم ہونے میں ابھی کچھ دن باقی تھے کہ جب میرا حوصلہ تقریباً ٹوٹ گیا اور میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ اس چلہ کو ترک کر کے کچھ دیر آرام کر لوں۔ صرف اتنے خیال سے ہی میرے جسم تو تیز اور زور دار جھٹکے لگنے لگے۔ ان جھٹکوں سے ایک دم میری آنکھیں کھل گئیں اور مشق کا سماع ٹوٹ گیا۔ اسی وقت میرے منہ سے خون کی ایک تہ نکلنے لگی اور میری ساری قمیض بھیک گئی۔ بھیک ہوئی قمیض مجھ پر الگ سے قیامت ڈھا رہی تھی۔ سردی سے میرا برا حال تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے میں سخت سردیوں کے موسم میں برف کی سل پر بیٹھا ہوں۔ آہستہ

آہستہ مجھے اپنی ہوش رخصت ہوتے محسوس ہوئے۔ مگر اس سے پہلے کہ میں مکمل طور پر بے ہوش ہو جاتا اچانک ایک جوان لڑکی کہیں سے نمودار ہوئی۔ اور پھر ایک جوان آدمی بھی۔ دونوں کی آنکھیں پریشانی سے بھری ہوئی تھیں۔ اس جوان لڑکی نے اپنا ہاتھ میرے دل کے مقام پر رکھ دیا اور اس جوان آدمی نے کچھ پڑھ کر میرے سارے جسم پر سر سے پاؤں تک ہاتھ پھیرا۔ اس کے ہاتھ پھیرتے ہی مجھے سردی کی شدت میں اچانک بہت زیادہ کمی محسوس ہوئی۔ جیسے کسی نے مجھے کچھ اوڑھا دیا ہو۔ اس لڑکی کے دل پر ہاتھ رکھنے کی بدولت میرے ہوش تیزی سے بحال ہونے لگے اور چند منٹوں میں، میں بہت سنبھل چکا تھا۔ اتنے میں ان دونوں کی یک جان آواز آئی۔

”سلیمان بیٹا!۔۔۔ اپنا عمل مکمل کرو۔ فکر مت کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔“ انکی آواز میں عجیب سے مٹھاس تھی جس نے میرے اندر

ایک نئی توانائی بھردی اور میں نے آنکھیں بند کر کے پھر سے مشق شروع کر دی۔ آنکھیں بند ہوتے ہی وہ دونوں اوجھل ہو گئے۔ اور میں پھر مشق میں مصروف ہو گیا۔ ایک آدھ دن تک اس نئی توانائی نے میرا بھرپور ساتھ دیا اور پھر وہی جسم کی نکاہت۔ میں نے چالیس دن کا چلہ پہلے بھی تین مرتبہ مکمل کیا تھا مگر ایسا حال پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح سے میں نے چلہ مکمل کر ہی لیا۔ دادا جی کی اس آواز پر میں آنکھیں کھول دیں۔

”بیٹا!۔۔۔ مبارک ہو۔ تم کامیاب ہو گئے۔“ ان کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا اور پھر اچانک مجھے چکر سا آیا اور میری آنکھیں بند ہوتی چلیں گئیں۔ میں بے ہوش ہو چکا تھا۔ دوبارہ ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک چار پائی پر دراز پایا۔ یہ

وہی گارہی تھی مگر یہاں ایک چار پائی موجود تھی جس پر میں لیٹا ہوا تھا اور دادا جی میرے منہ میں کوئی جوس قطرہ قطرہ کر کے ڈال رہے تھے۔ ہوش میں آنے کے بعد مجھے بہت ہی تیز بھوک کا احساس ہوا۔ اور پھر میں نے جوس کا گلاس لیٹے ہی لیٹے منہ سے لگا لیا۔ دادا جی نے عقلمندی سے کام لیتے ہوئے مجھے ایک مخصوص مقدار سے زیادہ نہیں پینے دیا۔ ”بس بیٹا!۔۔۔ ابھی کچھ دیر سانس لے لو۔“ انہوں نے جوس کا گلاس پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ پھر چند لمحوں کے بعد انہوں نے مجھے اٹھا کر بیٹھا دیا اور گلاس میرے حوالے کر دیا۔ میرا حلق باوجود آدھا گلاس ختم کر دینے کہ کانٹوں سے بھرا ہوا تھا اور میں نے جلدی سے سارا جوس گلے میں انڈیا۔ جوس خالی میدے میں گیا تو کچھ افاقہ ہوا۔ پھر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دادا جی نے نرم غذا مجھے کھانے کے لئے دی۔ چند گھنٹوں تک میرے طبیعت اعتدال پر آ چکی تھی۔

”بیٹا!۔۔ ایک بار پھر مبارک باد قبول کرو۔“ دادا جی نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

”شکریہ دادا جی!۔۔ یہ سب آپ کی محنت اور مدد کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔“ میں نے ممنوعیت سے کہا۔

”نہیں بیٹا!۔۔ تمہاری اپنی کوشش کمال کی تھی۔ اور یہ تو بتاؤ یہ غیر مرئی مخلوقات کو جلانے کا علم تم نے کہاں سے سیکھا؟“ انہیں اچانک یاد آ گیا اور انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”کہیں سے بھی نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”بس ارتکاز توجہ سے اس مخلوق کو دیکھا اور دل میں خواہش پیدا کی کہ وہ جل جائے تو وہ جل گیا۔ اصل میں، انہوں نے تھکا دیا تھا مجھے بھی اور آپ کو بھی۔“

”حیرت ہے۔ میں نے تو بہت دفعہ ایسی کوشش کی ہے مگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ اور تم نو آموز ہونے کے باوجود پہلی ہی کوشش میں

کامیاب ہو گئے۔“ دادا جی کے لہجے میں بہت حیرت تھی پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔ ”لگتا ہے تمہاری روح بہت طاقتور ہو گئی ہے۔“ میں بھی جواب میں بس ہنس دیا۔

چند دن آرام کرنے کے بعد میں اپنے پاؤں پر چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ پھر دادا جی نے ایک دن عجیب سے فرمائش کی۔ ”بیٹا!۔۔۔ مدینہ شریف کی کھجور ہی کھلا دو۔“ انہوں نے فرمائش انداز میں کہا۔

”جی!۔۔۔ میں کیسے کھلا سکتا ہوں۔“ میں نے عاجزی سے پوچھا۔ ”بھئی!۔۔۔ اب تم روحانی طاقت والے ہو گئے ہو۔ جب چاہو کر سکتے ہو۔ بس ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کرو اور اپنی روح کی پرواز سے مدینہ شریف جا کر کھجور لے آؤ۔“ انہوں نے یوں کہا جیسے کوئی بات ہی نہیں۔

میں نے کچھ سوچ کر ایسا ہی کرنے کا خیال کیا۔ اور پھر جیسے ہی دادا جی ایک پتھر پر بیٹھنے کے لیے جھکے میں نے آنکھیں بند کی فوراً ہی میرے روح کی آنکھیں کھل گئی اور پھر اگلے لمحے میں مدینہ شریف کے ایک بازار میں تھا۔ وہاں ایک دوکان سے ایک کھجور اپنی ارتکا زتوجہ سے اٹھائی اور ایک لمحے میں اسے لیے ہوئے اسی گار میں آ موجود ہوا۔ وہاں مجھے اپنا جسمانی وجود نظر آ رہا تھا۔ میں نے ارتکا زتوجہ کی مدد سے وہ کھجور اپنے ایک ہاتھ میں رکھی اور ساتھ ہی آنکھیں کھول دیں۔ میرے ہاتھ میں واقع ایک کھجور تھی۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ ابھی دادا جی پوری طرح بیٹھ بھی نہ سکے تھے کہ میں نے وہ کھجور ان کی طرف بڑھا دی۔

”یہ لیس دادا جی!۔۔۔ آپ کی مانگی ہوئی کھجور!“ میں نے شوخی سے کہا۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے کھجور لے لی اور پھر کہنے لگے۔

”اب تو تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں نے تمہیں تمہارے وطن کے پھلوں کا رس کیسے پلایا تھا۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 ”جی بالکل۔ مگر آپ اس کپڑوں کی الماری میں کیا لینے جاتے تھے؟“
 میں نے سوال کیا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ انہوں نے ایک قبضہ لگایا۔ ”چونکہ تم اس علم سے واقف نہ تھے اس لئے بس تم سے چھپانے اور کسی حد تک تمہارے حیرت کم کرنے کے لیے میں ایسا کرتا تھا۔“ دادا جی نے وضاحت کی۔

”دادا جی!۔۔۔ یہ عمل بڑے مزے کا ہے۔ اس کا چلہ تو بہت ہی خوفناک تھا مگر مجھے اس غیر مرئی دنیا سے روشناسی حاصل کر کے اچھا لگا۔ خاصی دلچسپ دنیا ہے۔“ میں نے پر جوش لہجے میں کہا۔
 ”ہاں!۔۔۔ ایسا تو ہے۔ مگر کچھ عرصے میں تم اس کے عادی ہو جاؤ

گے۔“ دادا جی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

”بیٹا!۔۔ ایک بات میں نے تم سے چھپائی تھی کیونکہ تم اس چلے میں مصروف تھے اور میں تمہارے توجہ بٹانا نہیں چاہتا تھا۔“ دادا جی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”وہ کیا دادا جی!“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”گوپی کشن تمہارا پیچھا کرتے ہوئے جاڑوں کی بستی پہنچ چکا ہے۔ مگر یہاں سے اسے تمہارا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کے جاسوس ساری بستی میں پھیلے ہوئے ہیں اور بڑی سرگرمی سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔“ دادا جی نے جواب دیا۔

”اوہ!۔۔ دادا جی کیوں نہ اس گوپی کشن سے بھی دو دو ہاتھ کر لیں اب؟“ میں نے دادا جی کی طرف دیکھتے ہوئے پر جوش لہجے میں

پوچھا۔

”بیٹا!۔۔۔ اتنا جوش اچھا نہیں ہوتا۔ جس طرح تمہارے پاس روحانی قوتیں ہیں اسی طرح اس کے پاس بھی ہیں۔ اور وہ اس کھیل کا پرانا کھلاڑی ہے۔ پتہ نہیں کیسی کیسی قوتیں اکٹھی کر رکھی ہوں گی اس نے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ریاست سولومن کا بڑا عہدے دار ہے۔ اس لیے اگر تم کسی طرح اس پر گالب بھی آ جاتے ہو تو بھی ساری سلطنت کی فوج تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوگی۔ تم کس کس سے لڑو گے؟“ انہوں نے تفصیل سے خطرات کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

”مگر دادا جی!۔۔۔ ہم ان سے کب تک ڈرتے اور چھپتے رہے گیں؟“ میں نے الجھ کر کہا۔

”وقت کا انتظار کرو بیٹا!۔۔۔ ہر کام اپنے مناسب وقت پر ہی اچھا

ہوتا ہے۔ ابھی ان کا وقت چل رہا ہے۔ تم اپنے وقت کا انتظار کرو۔“
داداجی نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں خاموش ہو گیا۔ حالات کا تقاضہ یہی تھا کہ میں اپنے آپ کو
حالات پر چھوڑ دوں۔ پھر میں نے سوچا کہ داداجی سے اور علوم سیکھنے
کی بات کروں۔

”داداجی مجھے کسی اور علم کا طریقہ سیکھائے جیسے روحوں کو بلانے والا
جس سے آپ عظیم شوالہ کی روح کو بلاتے ہیں۔“ میں نے کہہ تو دیا
مگر اچانک میری نظروں کے سامنے وہ دونوں جوان لڑکے اور لڑکی کی
سورتیں گھوم گئیں جنہوں نے مجھے آخری دنوں میں جب میں تقریباً
بے ہوش ہونے ہی والا تھا، سنبھالا تھا۔

”ضرور بیٹا!۔۔۔ مگر میرا خیال ہے کہ ابھی کچھ دن تم آرام کر لو۔
تمہاری صحت بہت خراب ہو چکی ہے۔ سوکھ کر کانٹا بن گئے ہو۔ پہلے

کچھ اپنی حالت درست کر لو پھر یہ علوم سیکھتے رہنا۔“ دادا جی نے فکر مندی سے کہا۔

”دادا جی میں آپ سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔ میری مشق کے آخری دنوں میں، میں تقریباً ہمت ہار چکا تھا اس وقت میری آنکھ بھی کھل گئی تھی اور مجھے بہت سخت سردی کا احساس ہو رہا تھا۔ قریب تھا کہ میں بے ہوش ہو جاتا کہ اچانک ایک جوان لڑکی اور لڑکا نمودار ہوئے۔ لڑکی نے میرے دل پر ہاتھ رکھ دیا جبکہ لڑکے نے کچھ پڑھ کر مجھے سر سے پاؤں تک پھونکا تو مجھے جیسے نئی توانائی مل گئی اور اسی وجہ سے میں اپنی مشق پوری کر پایا۔ وہ کون لوگ تھے؟“ میں نے تجسس سے پوچھا۔

”ہوں!۔۔۔ کیا تم مجھے تھوڑا سا ان کا حلیہ بتا سکتے ہو۔“ دادا جی نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔ میں نے اپنے اندازے سے ان کو

حلیہ بتا دیا۔

”تھہر میں تمہیں ایک تصویر دکھاتا ہوں۔“ دادا جی نے اچانک کہا اور پھر انہوں نے آنکھیں بند کی اور اگلے ہی لمحے ان کے ہاتھ میں ایک فریم کی ہوئی تصویر تھی۔ اس تصویر میں وہی دونوں لڑکا اور لڑکی تھے جن کو میں نے دیکھا تھا۔

”جی دادا جی!۔۔۔ بالکل یہی تھے۔ یہ کون ہیں؟“ میں نے فوراً تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

”یہ تمہارے والدین ہیں بیٹا!“ دادا جی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میرے ذہن میں ایک جھنکا سا ہوا۔ مجھے یاد بھی آرہا تھا کہ انہوں نے مجھے پیٹا کہا تھا۔ آہ۔۔۔ وہ میرے والدین تھے۔ میں ان کی اولاد اور وہ مجھے مرکز بھی نہیں بھولے۔ میں کافی دیر تک ان کے خیالوں میں ڈوبا رہا۔

چند دن میں نے آرام کرنے اور داداجی سے اپنے والدین کے بارے میں باتیں کرنے میں گزار دیئے اور پھر میں نے ضد کر کے داداجی سے روحوں کو بلانے والا عمل سیکھنا شروع کر دیا۔ اس عمل میں اپنی گرد آیت الکرسی کا حفاظتی حصار کھینچ کر کچھ قرآنی آیات کی تلاوت کرنا تھا۔ پھر اپنی توجہ اس روح کی طرف، جسے بلانا مقصود ہوتا تھا، مرکوز کر کے کچھ خاص الفاظ تھے جو بار بار پڑھنے تھے۔ اگر دس بار پڑھنے پر بھی وہ روح نہ آئے تو پھر دوبارہ وہ قرآنی آیات تلاوت کرنی تھی۔ اسی طرح اس عمل کو اس وقت تک کرتے رہنا تھا جب تک کہ وہ مطلوبہ روح نہ جائے یا پھر ہم اس کو بلانے کا ارادہ ترک نہ کر دیں۔

میں نے اللہ کا نام لیا اور پھر ایک جگہ پر بیٹھ کر یہ عمل کرنے لگا۔ تقریباً دو گھنٹے کی کوشش کے بعد اچانک میں نے وہی بزرگ جو خواب میں

آتے تھے ان کو اپنے سامنے دیکھا۔ ان کی آنکھیں کسی بھی تاثر سے خالی تھیں۔

”عظیم سوال کیا یہ آپ ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں سلیمان!۔۔۔ یہ میں ہی ہوں۔ بولو مجھے کیسے یاد کیا۔“ انہوں نے پوچھا۔

”میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا آپ نے میری بہت سے معاملات میں مدد کی۔“ میں نے ممنوعیت سے کہا۔

”میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ اور کوئی بات“ انہوں نے اسی طرح سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ گوپل کشن سے مقابلے کے لیے مجھے کون کونسے علوم سیکھنے ہونگے؟“ میں نے پوچھا۔

”سب سے پہلے بلند حوصلے کا علم سیکھو! اس سے بڑا کوئی علم اس دنیا

میں نہیں ہے۔“ انہوں نے بڑے ہی عجیب سے لہجے میں کہا۔
 ”جی“ میں حیرت سے ہکا بکارہ گیا۔

”سلیمان!۔۔۔ تم پر ساری سلطنت سولومن کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔
 تمہارا مقابلہ طالش جیسے خطرناک جن سے ہے اگر تم چھوٹی چھوٹی
 ہستیوں سے ڈر کر بیٹھے رہو گے تو پھر طالش سے مقابلہ کیا خاک کرو
 گے۔“ انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور مجھے شرمندگی کا
 احساس ہونے لگا۔

”میں تو خود یہی چاہتا تھا مگر دادا جی کا خیال تھا کہ ہم مناسب وقت کا
 انتظار کریں۔“ میں نے اپنی خفت مٹاتے ہوئے کہا۔
 ”دیکھو سلیمان!۔۔۔ تمہیں اپنی طاقتوں کا سہی طور پر ادراک نہیں
 ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گوپی کشن تم سے طاقت میں بہت
 آگے ہے مگر اس کے پاس ایمان کی قوت نہیں ہے جو تمہارے پاس

ہے۔ یاد کرو جب تم ہوائی حویلی میں قید تھے۔ تمہاری کس قوت نے تمہیں بچایا؟ صرف ایمانی قوت نے۔ اپنا ایمان پختہ رکھو اور عقل سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھو۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔“ عظیم شوالہ نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی اور سوال کرتا ان کی روح ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

میں نے گھوم کر داداجی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا پا کر بولے۔

”بیٹا!۔۔۔ میری اوقات ہی کیا ہے۔ تم خود سے اپنے فیصلے کیا کرو۔“ داداجی کے لہجے میں اداسی اور پشیمانی سی تھی۔

”داداجی!۔۔۔ میں آپ کی محبت کو سمجھتا ہوں۔ مگر جیسا کہ عظیم شوالہ نے کہا کہ مجھے ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہر موقع پر میری مدد کر رہے ہیں۔ مجھے ان پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔“ میں نے

جیسے اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔
 ”ٹھیک ہے!۔۔۔ اب تم کیا کرو گے؟“ انہوں نے ایک لمبا سانس
 لیتے ہوئے کہا۔

”پہلے مجھے یہ بتائیں کہ آپ مجھے اور کون سا عمل سیکھا سکتے ہیں جو اس
 کے خلاف میری مدد کر سکے؟“ میں نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔
 ”بیٹا!۔۔۔ میں لڑائی جھگڑے سے دور رہنے والا بندہ ہوں اس
 لیے میرے تجربے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں تمہارے
 ذہن میں کچھ ہو تو بتاؤ۔“ دادا جی شاید ابھی تک ندامت کا شکار تھے
 کہ انہوں نے مجھے چھپے رہنے کا مشورہ دیا تھا جسے عظیم شوالہ نے رد کر
 دیا۔

”اچھا کیا آپ مجھے ایسا کوئی علم بتا سکتے ہیں جو گوپی کشن کی روح کو
 اس کے قابض جسم سے نکالنے میں مدد کرے؟“ میں نے کچھ سوچ

کر پوچھا۔

”بیٹا!۔۔۔ گوپی کشن ایک ہندو ہے۔ اس کے خلاف تمہارا سب سے بڑا ہتھیار خود کلام پاک ہے۔ اس پر آیات پڑھ کر پھونکو۔ خاص طور پر چاروں قل شریف۔“ دادا جی نے ایک ٹپ دیتے ہوئے کہا۔ اور میں نے اسے ذہن نشین کر لیا۔

وہ رات میں نے دادا جی کے ساتھ ہی آخری رات کے طور پر اس **غار** میں گزاری۔ پھر اگلی صبح میں نے انکو واپس بستی جانے کا کہا۔
 ”دادا جی!۔۔۔ اب آپ بستی جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ آپ کو میرے ہمدرد کے طور پر شکار کر سکے۔ میں اس سے تنہا ہی ملنا چاہوں گا۔“ میں نے بڑے ہی پر عزم لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے بیٹا!۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی۔“ دادا جی نے کہا پھر جانے سے پہلے تاکید کی۔ ”بیٹا!۔۔۔ اپنا خیال رکھنا اور اگر کسی بھی موقع پر

میری ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف مجھے آواز دے دینا۔ یہ بوڑھی
ہڈیاں جس بھی قابل ہوئیں تمہارے کام ضرور آئیں گیں۔“
”میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں اور بس آپ کی دعاؤں کا طالب ہوں“
میں نے ممنوعیت سے کہا۔
”اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔“ انہوں نے دعا دی اور پھر
رخصت ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے اپنا پروگرام بنانا شروع کیا۔ اگر مجھے
کسی طرح گوپی کشن کے ٹھکانے کا پتہ چل جائے تو یقیناً میں اس کی
گردن پر پہنچ سکتا ہوں۔ پھر اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ کیوں نہ گوپی
کشن کی روح کو اپنے سامنے بلاؤں۔ پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔
کافی دیر میں اس پر سوچتا رہا مگر اس کے علاوہ مجھے کوئی اور خیال نہیں
آیا۔ ابھی میں عمل شروع کرنے ہی والا تھا کہ مجھے آیان اپنے قریب

نظر آیا۔ میں اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ چونکنے کی بات اس لیے تھی کہ آیان تقریباً دو سال سے نہیں آیا تھا اور نہ ہی میں نے بلایا تھا۔ دوسرا یہ کہ وہ میری اس غار والی رہائش کے بارے میں بھی نہیں جانتا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اس سے اس بارے پوچھتا۔ وہ خود ہی بول پڑا۔

”آقا!۔۔۔ تکلیف دہی کی معذرت چاہتا ہوں۔ مگر آپ سخت خطرے میں ہیں۔“ آیان نے تیز لہجے میں کہا۔ ”گوپی کشن اور اس کے سپاہیوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور اس وقت جادوئی جالا بن رہے ہیں تاکہ آپ یہاں سے بھاگ نہ سکیں۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔“ میں نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

”اس کو میرے اس ٹھکانے کا کیسے پتہ چلا اور تم یہاں کیسے پہنچے؟“

”آقا!۔۔۔ میں گوپی کشن کی دور ہی دور سے نگرانی کر رہا تھا۔ آپ نے تو مجھے جانے کو کہہ دیا تھا مگر میرا دل نہیں مان رہا تھا اور میں آپ کی

حکم عدولی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اپنے طور پر گوپنی کشن کے ساتھ لگا رہا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے آپ کے دادا جی کو گرفتار کیا ہے جن سے اسے معلوم ہوا کہ آپ یہاں پر اس غار میں ہیں اس لیے وہ اب اس غار کو گھیرے ہوئے ہے۔ میں اس لیے اندر آ گیا کہ دیکھوں تو سہی کہ کیا واقعی آپ اندر ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ یہاں سے نکل چلیں۔ جادوئی جال بننے میں ان کو ایک آدھ گھنٹا تو لگ ہی جائے گا۔“ آیان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”آیان!۔۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے میری یوں مدد کی مگر حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود گوپنی کشن کی تلاش میں تھا اور اسے ایک عمل سے بلانے ہی والا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ وہ خود ہی آ گیا۔ بس تم اپنے آپ کو بچاؤ۔ ان کو میں خود ہی سنبھال لوں گا۔“ میں نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا اور آیان حیرانی سے مجھے دیکھنے لگا۔ مگر وہ کچھ اور کر نہیں

سکتا تھا اس لیے خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

آیان کے جانے کے بعد میں وہی زمین پر بیٹھ گیا اور پھر اپنے گرد آیت الکرسی کا حفاظتی حصار بنا کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اپنے روح کی پرواز سے میں اس غار سے باہر نکلا اور پھر ادھر ادھر کا معائنہ کرنے لگا۔ بظاہر تو کچھ نہیں تھا مگر میری روحانی آنکھ نے مجھے دیکھا دیا کہ میرے گرد قریباً بیس کے قریب جنات اور تین انسان گھیرا ڈالے چٹانوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ میری غار کے ارد گرد وہ جنات ایک عجیب سا جالا بن رہے تھے۔ اس جالے کی ہر سی اور گرہ سے عجیب سی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ پھر میں ان تین انسانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سے کوئی بھی گویا گشت نہ تھا بلکہ دو تو جاڑوں کی بستی کا باشندے تھے جنہیں میں نے وہاں سے نکلتے وقت دیکھا تھا جبکہ ایک اجنبی تھا۔ میں ان کے پاس چلا گیا۔ وہ آپس میں

باتیں کر رہے تھے۔

”تمہیں یقین ہے کہ اس نے علم زوجیلہ مکمل کر لیا ہے؟“ ایک شخص

جس کی فرنیچ کٹ داڑھی تھی نے دوسرے آدمی سے پوچھا۔

”جی سر!۔۔۔ بابا فتح اس علم کا بڑا پرانا ماہر ہے اور ہمیں پتہ چلا ہے کہ

وہ اور یہ لڑکا تقریباً دو سال سے اسی غار میں رہ رہے ہیں۔ میرے

خیال میں اتنا عرصہ کافی ہوتا ہے اس علم کو سیکھنے کے لیے۔“ دوسرے

آدمی نے کہا جو کلین شیو تھا مگر اس کے سر کے بال گردن سے نیچے اس

کے کندھوں تک بکھرے ہوئے تھے۔

”شیو!۔۔۔ لگتا ہے تمہیں علم زوجیلہ کے بارے میں زیادہ معلومات

نہیں ہیں۔ اس کے سیکھنے کے لیے تو پانچ سال کا عرصہ بھی کم ہے۔

بہر حال یہ ایک اچھا اقدام ہے گوپی جی کا، کہ یہ جادوئی جال بن دیا

جائے۔ ویسے تو اس بات کا امکان کم ہی ہے کہ وہ یہ علم جانتا ہوگا مگر

اگر جانتا بھی ہو تو اس جال سے نہیں نکل سکے گا۔“ اسی فریج کٹ
داڑھی والے نے کہا۔ اور پھر تیسرے آدمی کی طرف متوجہ ہوتے
ہوئے بولا۔

”اولنگا!۔۔۔ جاؤ دیکھ کر آؤ کہ کتنا کام رہ گیا ہے تاکہ ہم گوبی جی کو
اطلاع کریں۔“

وہ تیسرا آدمی یہ حکم ملتے ہی چٹان کہ اوٹ سے نکلا اور چند قدم کچھے
چٹان پر کھڑے جن سے مخاطب ہو گیا۔ وہ اس سے معلومات لے رہا
تھا کہ کتنا کام رہ گیا ہے۔ اس جن نے بتایا کہ بس دس منٹ کا کام رہ
گیا ہے۔ اولنگا یہ معلومات لے کر واپس اپنے باس کے پاس آ گیا اور
کہنے لگا۔

”سر!۔۔۔ شرطاً جن کے مطابق دس منٹ کا کام رہ گیا ہے۔“ اس کا
انداز کافی مودبانہ تھا۔

باس نے کچھ دیر سوچا اور پھر وہاں سے اٹھ کر ایک سمت کو چل پڑا۔ ایک بڑے سے ٹیلے کی اوٹ میں جا کر اس نے چار پتھر اٹھائے اور ان پر کچھ پڑھ کر ایک سمت میں ہوا میں اچھال دیا۔ اسی وقت وہاں جیسے ونڈسکرین اوپن ہو گئی۔ اس سکرین میں ایک شخص نظر آ رہا تھا۔ ”سیونا!۔۔ بول کا ہے کوکشت دیا ہمیں“ وہ سکرین والا شخص بولا تو میں چونک پڑا۔ یہ آواز گوپنی کشن کی تھی۔

”سرکار!۔۔ تکلیف دہی کی معافی۔ آپ کو اطلاع دیجی تھی کہ دس منٹ میں جادوئی جالا مکمل ہو جائے گا۔ سرکار خود تشریف لائے گیس یا پھر ہم خود ہی اس باغی کرپکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔“ اس باس نے جس کا نام گوپنی نے سیونا لیا تھا بڑے مودبانہ انداز میں کہا۔

”نا بابا!۔۔ یہ چھوڑا تمہارے بس کا نا ہی ہے۔ ہم اوش پہنچ رہے

ہیں۔“ گوپی کشن نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ سکرین ہوا میں تحلیل ہو گئی اور سیونا مطمئن انداز میں واپس چل پڑا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ پھر اپنے ساتھیوں اولنگا اور شیوا کے پاس بیٹھا تھا۔

مجھے حالات سے کچھ تو آگاہی ہو گئی تھی تاہم مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر لگ رہی تھی کہ مجھے اپنی کارروائی ابھی شروع کر دینی چاہیے یا پھر گوپی کا انتظار کرنا چاہیے۔ کچھ دیر سوچ کر میں نے اپنی کارروائی شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ وجہ یہ تھی کہ میں گوپی کشن کی قوتوں سے مکمل طور پر آشناء نہ تھا اس لیے اس کے ساتھیوں کے ساتھ اس کا مقابلہ مہنگا بھی پڑ سکتا تھا۔ جبکہ اکیلے میں اس سے نبٹنا آسان ہوتا۔ یہ سوچ کر میں نے تمام جنات کو باغوردیکھاتا کہ ان کے چہرے میرے ذہن میں نقش ہو جائے اور پھر میں اپنی جگہ واپس پہنچ گیا۔ آنکھیں کھول کر میں نے دوبارہ ان سب بیس جنوں کے چہروں کے نقش

ذہن میں تازہ کیے۔ یہ ایک مشکل کام تھا مگر میں تقریباً دو سال سے یہی مشق کرتا آ رہا تھا اس لیے آسانی سے مجھے ان سے کے چہرے یاد رہ گئے۔ ان سب کی طرف متوجہ ہو کر میں نے وہ جناتی عمل شروع کر دیا جس سے جنات کو جلایا جاتا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق مجھے یہ عمل تقریباً پانچ منٹ تک مسلسل کرنا تھا اور وہ سارے جن جل کر خاک ہو جاتے۔ پانچ منٹ پورے ہوتے ہی میں اس کارڈ عمل جاننے کے لیے پھر روحانی طور پر باہر نکلا۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ وہ سب جل کر بھسم ہو چکے تھے اور جال جہاں تک بنا تھا بس وہی تک رہ گیا تھا۔ میں جلدی سے سیونا اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ وہ اسی طرح مطمئن انداز میں بیٹھے گوپی کشن کا انتظار کر رہے تھے۔ ظاہری بات ہے گوپی کشن نے تو آخری وقت پر آنا تھا تاکہ کام مکمل کرنے میں اسے کچھ انتظار نہ کرنا پڑے اس لیے وہ ابھی

تک نہیں پہنچا تھا۔ اب ان انسانوں سے بٹنے کا کوئی منصوبہ بنانا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ کن طاقتوں کے ماہر ہیں۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ کیوں نہ ان کو آپس میں لڑا دیا جائے۔ یہ سوچ کر میں ان کے پاس گیا۔ وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ سیونا جو کہ ان کا باس تھا کچھ آگے تھا اور غار کے دھانے کی طرف اس منہ تھا جبکہ اولنگا اور شیوا کی طرف پیٹھ تھی۔ شیوا درمیان میں مگر دائیں طرف جب کہ اولنگا سب سے پیچھے اور سبنا بائیں طرف تھا۔ میں نے اولنگا پر اپنی ارتکا زتوجہ مرکوز کرتے ہوئے اسے سیونا پر گرا دیا۔

”اوہو!۔۔۔ اولنگا تم ہوش میں تو ہو؟“ سیونا نے غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔

اولنگا نے کچھ کہنے کے لیے زبان کھولی مگر میں نے اپنی توجہ سے اس کی زبان اس کے دانتوں میں الجھا دی۔ وہ جلدی سے بولنے کے چکر

میں اپنی ہی زبان چبا بیٹھا۔ تکلیف سے اس کا چہرہ بگڑ گیا۔ شیوا اس کو سنبھالنے کے لیا اٹھا ہی تھا کہ میں نے اپنی توجہ سے اولنگا کا دایاں ہاتھ پوری قوت سے گھما کر شیوا کہ منہ پر دے مارا۔ وہ تھپڑ بہت ہی زوردار تھا۔ شیوا چکرا کر بچے گرا۔ سیونا ایک دم کھڑا ہو گیا اور گھور کر اولنگا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”اولنگا!۔۔۔ تم ہوش میں تو ہو۔ یہ کیا حرکت ہے؟“ اس کے لہجے میں غصے سے زیادہ حیرت تھی۔

میں نے اس بار پھر اولنگا کا ہاتھ گھما دیا اور اس بار تھپڑ سیونا کے پڑا۔ سیونا تھپڑ کھا کر گرتے ہی بجلی کی سی تیزی اٹھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ٹماڑ ہوا ہوا تھا۔ اس نے کچھ پڑھ کر زور سے اولنگا کی طرف پھونکا اور اولنگا کا سارا جس شعلوں کی زد میں آ گیا۔ اولنگا عجیب سے انداز میں چیخ رہا تھا۔ زبان چبانے کی وجہ سے وہ سہی طور پر بول نہیں

پارہا تھا مگر تکلیف سے چیخ بھی رہا تھا اور شاید وہ وضاحت بھی دینے کی کوشش کر رہا تھا اتنے میں تکلیف کی شدت سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ سیونا شاید اسے مارنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے ایک اور منتر پڑھ کر اس پر پھونکا اور اولنگا کو شعلوں سے نجات مل گئی مگر وہ بے ہوش ہی تھا۔

”یہ اچانک اولنگا کو کیا ہو گیا۔“ شیوا جواب اٹھ چکا تھا حیرت زدہ سے انداز میں بولا۔

”پتہ نہیں۔ شاید یہ پاگل ہو گیا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ کس طرح اس نے اپنی ہی زبان کو چبا لیا۔“ سیونا نے اپنے طور پر وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر جیسے ہی اس نے دوبارہ منہ موڑ کر غار کے دھانے کی طرف دیکھنا شروع کیا میں نے اس بار شیوا کے ہاتھ کو استعمال کیا۔ اس نے قریب ہی پڑا ہوا ایک بھاری پتھر اٹھایا اور تیزی

سے سیونا کے سر پر دے مارا۔ سیونا بچارا ایک تیز سسکاری لے کر وہی
 ڈھیر ہو گیا۔ پتہ نہیں مر گیا یا پھر بے ہوش ہوا تھا۔ جبکہ شیوا اپنے
 ہاتھوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ظاہری بات ہے اسے یہ بات سمجھ
 نہیں آئی تھی کہ خود اس سے یہ سب کیسے ہو گیا۔ اب میرے لیے مسئلہ
 یہ تھا کہ اس کا کام کیسے تمام کروں۔ میرے پاس کوئی ایسا علم نہیں تھا
 کہ میں کسی انسان کو نقصان پہنچا سکتا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں
 نہ اسے بھی جانے کی کوشش کروں جیسے چلے کے دوران میں نے ایک
 غیر مرنی مخلوق کو جلایا تھا۔ مجھے یقین تو نہ تھا مگر کوشش کرنے میں کوئی
 ہرج نہ تھا۔ اس لیے میں نے اپنی ارتکا زکی قوت سے اس کو آگ میں
 جلانے کے تصور کو ابھارا۔ اسی وقت میں نے شیوا کو آگ کے شعلوں
 میں جلتے دیکھا۔ جب تک میں نے توجہ مرکوز رکھی وہ جلتا رہا اور چیختا
 رہا۔ جب وہ بے ہوش ہو کر گرا تو میں نے آگ کا تصور ختم کر دیا اور

آگ خود بخود سرد ہو گئی۔

یہ سارا واقعہ میرے اعتماد کو بڑھانے کے لیے کافی تھی۔ جنات سے
نبتنا تو مجھے خوب آتا تھا مگر جادو گر انسانوں سے میں پہلی بار ٹکرایا تھا۔
چونکہ اب میدان صاف تھا اس لیے میں نے انتظار کرنے کا فیصلہ
کیا۔ ابھی چند منٹ ہی انتظار کیا تھا کہ میں نے ایک چٹان کے عقب
سے گوپی کشن کو اس شکل میں آتے ہوئے دیکھا جس میں وہ سکرین پر
نظر آ رہا تھا۔ اس نے سر گھما کر اس ادھورے جال کو دیکھا تو اس کے
چہرے پر غصے اور حیرت کے ملے جلے تاثرات ابھر آئے۔ اسے شاید
یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ کام ابھی تک مکمل نہیں ہو سکا ہے۔ اتنے میں وہ
چلتا ہوا اس چٹان کے قریب پہنچ گیا جہاں پر اس نے اولنگا اور شیوا کو
جلے ہوئے بے ہوش پایا۔ جبکہ سیونا بھی ان کے پاس ہی ڈھیر تھا۔
گوپی کشن فوراً ہی معاملے کو سمجھ گیا۔ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں یہ

بھاگ نہ جائے اس لیے میں نے جلدی سے اپنے ارتکا کی توجہ سے اسے جکڑ لیا اور پھر ہوا میں انسانی آواز کا ارتعاش پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”گوپی کشن مہاراج!۔۔۔ بھاگنے کا ارادہ ملتوی کر دو۔ اب تم مجھے سے نہیں بچ سکتے۔“ میرے لہجے میں وقار تھا۔

گوپی کشن نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر اچانک اس نے آنکھیں بند کی اور اسی کیساتھ میں نے دیکھا کہ اس کی روح کا جو چھوٹا سا ہیولہ تھا وہ ایک دم سے قد آور اور مکمل روح کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے دیکھ لیا۔

”اچھا تو یہ تم ہو چھوٹی سرکار!“ اس نے گھور مجھے دیکھا۔ ”بہت خوب اب مزہ آوے ہے شکار کا۔“ اس نے زہریلے لہجے میں کہا اور پھر اچانک ہی اس نے ہوا میں انسانی آواز کا کچھ ارتعاش پیدا کیا اور

ایک دم سے ایک خوفناک مخلوق پیدا ہو گئی۔ اس مخلوق نے گھور کر مجھے دیکھ اور تیزی سے حملہ آور ہوئی۔ اسے دیکھ کر مجھے وہ مخلوقات یاد آ گئی جو میں نے چلے کے دوران دیکھی تھیں۔ یہ بھی ان میں سے کوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ تک پہنچتی میں نے اسے ارتکا ز توجہ سے جلا دیا۔ اسے جلتا ہوا دیکھ کر گوپی کشن کی روح حیران رہ گئی۔ شاید یہ اس کی توقع کے بالکل برعکس ہوا تھا۔ میں نے موقع کی مناسبت سے اس کے زخموں پر نمک چھڑکا۔

”گوپی مہاراج!۔۔ کوئی اور جنتر منتر رہ گیا ہو تو وہ بھی آزمالو۔ پھر نہ کہنا کہ میں نے موقع نہیں دیا۔“ میرا لہجہ بہت ٹھوس تھا۔ گوپی کشن میری بات سنتے ہی آگ بھگولہ ہو گیا۔ اس نے پھر تیزی سے ہوا میں ارتعاش پیدا کیا اور اچانک ایک نہایت ہی خوفناک سی مخلوق ظاہر ہو گئی۔ اس کی خاص بات یہ تھی کہ وہ خود ایک عجیب سی نیلی

آگ میں نہائی ہوئی تھی۔ یعنی آگ اس کے جسم کا حصہ تھی۔ وہ تیزی سے مجھ پر جھپٹی۔ مجھے سمجھ نہ آیا کہ اس کے ساتھ کیا کرو کیونکہ یہ تو پہلی سے ہی آگ میں نہا رہی تھی۔ اتنے میں اس نے مجھے یعنی میری روح کو آلیا۔ میری روح کو ایک کرنٹ سا لگا اور ایک عجیب سے تکلیف میری روح کو شروع ہو گئی۔ شاید یہ جلنے کی تکلیف تھی۔ میں اس تکلیف سے روشناس نہ تھا۔ میری حالت تیزی سے بگڑ رہی تھی اور مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں اچانک مجھے آیت کریمہ یاد آگئی جس نے گوپی کشن کے خلاف پہلے بھی میری بہت مدد کی تھی۔ میں نے جلدی سے ہوا میں آیت کریمہ کی تلاوت کا ارتعاش پیدا کیا۔ پہلی دفعہ آیت کی تلاوت ختم ہوتے ہی اس مخلوق کو ایک جھٹکا لگا اور وہ مجھ سے ایسے دور ہٹ گئی جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ اس سے مجھے حوصلہ ملا اور میں نے اس بار بڑے خشوع و خضوع سے آیت کریمہ کی تلاوت

شروع کر دی۔ اس سے نا صرف وہ مخلوق بھاگ گئی بلکہ گوپی کشن کی روح بھی بہت بے چین ہو گئی۔ میں اس کے بے چینی دیکھ کر مسلسل تلاوت کرتا رہا اور وہ بے چین روح کی طرح ادھر سے ادھر چکر لگاتی رہی اور پھر اچانک گوپی کشن کی روح چھوٹے سے ہیولے کی صورت میں اس کے جسم کے اوپر معلق ہو گئی اور گوپی کشن نے آنکھیں کھول دیں۔ مگر اب میں اس کو بھاگنے کا موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے میں نے اس کے جسم کو اپنے ارتکا ز توجہ کے شعلوں سے جلانا شروع کر دیا۔ گوپی کشن کے حلق سے چیخے نکلنے لگیں۔ چند منٹ میں وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا مگر میں اسے مسلسل آگ میں روست کرتا گیا۔ اور پھر چند منٹ بعد میں نے دیکھا کہ آسمان سے فرشتوں کا ایک غول تیزی سے نیچے اتر آیا۔ اور پھر انہوں نے اس بے دردی سے گوپی کشن کی روح کو اس جلے ہوئے جسم سے نکالا کہ گوپی کشن کی چیخوں سے میری

روح بھی کانپ اٹھی۔ اور پھر ایک فرشتہ اس کی روح کو ایک بہت ہی بڑے اور کانٹے دار کوڑے سے مارنے لگا۔ گوپی کشن کی روح بری طرح چیخنے کا ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ مگر یہ ارتعاش انسانی نہیں بلکہ روحانی تھا یعنی کوئی انسانی کان اسے نہیں سن سکتا تھا۔ پھر وہ فرشتوں کا غول اسی طرح اسے کوڑے سے مارتا ہوا آسمانوں میں غائب ہو گیا۔ میں حیرت زدہ اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ ہندو مذہب کے مطابق وہ مردہ انسان کو جلا دیتے ہیں۔ چونکہ گوپی کشن تو پہلے ہی روح کی شکل میں تھا اور شاید اپنے اصل جسم کے ساتھ نہیں جلا تھا اس لیے اس کی روح کو عالم ارواح میں داخلہ نہیں مل سکا مگر اب جب کہ میں نے اسکے جسم کو اس کی روح سمیت جلا دیا تھا تو شاید اس کی طبعی موت واقع ہو گئی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ کے نظام کے مطابق اس کی روح کو فرشتے عالم ارواح میں لے گئے۔ اور وہ

کوڑے اس کو یقیناً اس کے اعمال کے نتیجے میں لگے ہونگے۔
بہر حال بہت ہی دردناک منظر تھا۔

اس سے فارغ ہو کر میں اپنی جگہ حاضر ہوا اور پھر غار کے دھانے سے
نکل کر باہر آ گیا۔ اچانک مجھے دادا جی کا خیال آیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا
کہ وہ کہاں پر ہیں۔ میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں اور
پھر تیزی سے آسمان کی طرف اڑ گیا۔ پھر میں نے تیز نظروں سے دادا
جی کو ڈھونڈا۔ وہ مجھے کہیں نظر نہ آئے۔ پوری جاڑوں کی بستی میں نے
کنگال ماری مگر وہ وہاں کہیں موجود نہ تھے۔ ناکام ہو کر میں نے
آنکھیں کھول دیں۔ اور پھر کچھ سوچ کر میں نے آیان کو بلایا۔ وہ
میری آواز پر نہیں آیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اسے سورہ جن پڑھ کر آواز دی
جاسکتی ہے مگر مجھے سورہ جن زبانی یاد نہیں تھی اس لیے۔ میں واپس
غار کی طرف چل پڑا۔ غار میں پہنچ کر میں نے دادا جی کے رکھے

ہوئے ایک قرآن شریف سے سورہ جن کو اس خیال سے حفظ کرنا شروع کر دیا کہ مستقبل میں بھی اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ جب میں اسے حفظ کر چکا تو ایک بار پڑھ کر آیان کو آویں دیں۔ تیسری آواز پر وہ حاضر ہو گیا۔

”آپ نے مجھے یاد کیا میرے آقا“ آیان نے مودبانہ انداز میں کہا۔

”آیان!۔۔۔ جلدی سے پتہ لگاؤ کہ میرے دادا جی کہاں پر ہیں۔ مجھے ان کا کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”ان کو گوپنی کشن کے حکم سے جادوئی جالے سے باندھ کر سنگ مور کی جیل میں رکھ گیا ہے۔“ آیان نے فوراً بتایا۔

”یہ سنگ مور کہاں پر ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ یہ آپ کی دنیا میں نیپال کے قریب ایک جگہ ہے جہاں

پر سلطنت سولومن کی سب سے خطرناک جیل ہے۔ یہاں پر بہت ہی طاقت ور اور خطرناک قیدی رکھے جاتے ہیں۔ آج تک وہاں سے کوئی بھی قیدی آزاد نہیں ہو سکا اور نہ ہی زندہ واپس آیا ہے۔“ آیان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”کیا تم میری وہاں تک راہنمائی کر سکتے ہو؟“ میں نے اس کی تعریفوں سے متاثر ہوئے بغیر پوچھا۔

”ضرور آقا!۔۔۔ مگر اس کے گرد جادوئی مکڑے موجود ہیں جو کسی بھی قریب آنے والے جن کو دبوچ لیتے ہیں۔ اس لیے میں آپ کو کچھ دور سے ہی دکھاسکوں گا۔“ آیان نے کچھ پریشان لہجے میں جواب دیا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ جہاں تک تم جاسکو مجھے لے چلو۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

گوپی کشن کے ساتھ اس معرکے نے مجھے بہت اعتماد دیا تھا۔ اس

لیے میں نے سیدھا سنگ مور جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میں اپنی قوتوں کے بل پر دادا جی کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

آیان نے مجھے اٹھایا اور پھر تیزی سے ہواؤں میں بلند ہو گیا۔ ہم کچھ دیر تک فضا میں سفر کرتے رہے اور پھر ایک بڑے پہاڑ کو کراس کر کے آیان نے مجھے ایک جنگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

”آقا!۔۔۔ یہ جنگل ایک حفاظتی علاقہ ہے۔ یہاں پر بے شمار مکڑے ہیں جو کسی انسان یا جن کو جنگل میں گھسنے نہیں دیتے۔ جو بھی ان کے ہاتھ آجاتا ہے اس کو باندھ کر کھا جاتے ہیں۔“ آیان کے لہجے میں خوف کی جھلک نمایاں تھی۔

”اچھا اگر میں ان سے بچ کر نکل جاؤں تو پھر؟“ میں نے پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ اس جنگل کے تقریباً وسط میں ایک چھوٹا سا پانی کا حوض

ہے۔ اس حوض کے پینڈے میں سنگ مور میں داخلے کا دروازہ ہے۔ مگر وہاں دو طاقتور جن تعینات ہیں جو ہر دم پہرہ دے رہے ہوتے ہیں۔ بس اس سے آگے کا مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ معلومات بھی میرے پاس اس لیے ہے کہ ایک بار جنات کے بہت بڑے گروہ نے اس جیل میں گھس کر طالوت جن کو روانے کی کوشش کی تھی۔ اس گروہ میں آدھے سے زیادہ مارے گئے تھے اور باقی بڑی مشکل سے واپس آپائے تھے۔ ان میں سے ایک سے میری جان پہچان ہے اسی نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا۔“ آیان نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

”یہ طالوت جن کون ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
 ”بہت ہی نیک جن ہے آقا!“ آیان نے بڑی عقیدت سے کہا۔
 ”تقریباً ایک لاکھ جن اسے اپنا لیڈر مانتے ہیں مگر شہنشاہ نے ایک

معمولی سے اختلاف پر اسے یہاں قید کروادیا۔ طاہوت جن کے بعد ہماری مشکلات سننے والا کوئی نہیں ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے تم مجھے اس جنگل کے باہر اتار کرواپس چلے جاؤ۔“
میں نے کہا اور اس نے جنگل کے بالکل ابتداء کے پاس مجھے اتار دیا۔ اور خود واپسی کے لیے مڑ گیا۔ میں نے کچھ دیر ادھر ادھر کا جائزہ لیا اور پھر کچھ پیچھے آ کر ایک محفوظ مقام ڈھونڈا۔ یہ ایک بہت بڑا برگد کے درخت کا جھنڈ تھا۔ میں وہی اتنی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور پھر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جسمانی آنکھیں بند ہوتے ہی میری روح بیدار ہو گئی۔ میں نے ہوا میں کچھ بلند ہو کر جنگل کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔ اس جنگل میں بے تحاشا غیر مرئی مخلوقات نظر آرہی تھیں۔ تقریباً درمیان میں کچھ مخلوقات درخت نما تھیں۔ میں اونچائی پر ہوا میں ہی اس جنگل کے تقریباً وسط میں پہنچ گیا۔ جنگل بہت گھنا تھا

اس لیے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ نیچے کوئی پانی کا حوض ہے کہ نہیں۔ میں نے خدا کا نام لے کر اس میں گھسنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک مناسب جگہ ڈھونڈ کر میں تیزی سے جنگل میں گھس گیا۔ جیسے ہی میں جنگل کی حدود میں داخل ہوا ایک دم کبرام مچ گیا اور بے شمار مخلوقات میرے طرف جھپٹی۔ ان میں وہ مکڑے نما مخلوق بھی تھی جس کا آیان نے ذکر کیا تھا۔ میں نے چند ایک کو اپنی ارتکا زتوجہ سے جلا دیا۔ میرا خیال تھا کہ باقی ڈر کر مجھ سے دور بھاگے گئیں۔ مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ ایک مکڑے نے مجھ پر اپنا جالا پھینک دیا۔ یہ جالا بڑا عجیب سا تھا۔ جیسے ہی میری روح پڑا مجھے ایک دم گھٹن کا احساس ہونے لگا اور میری روح تیزی سے زمین پر آ گئی۔ مجھ سے اب جالے سمیت اڑا نہیں جا رہا تھا۔ یہ ویسا ہی جالا تھا جیسا شیوا اور اس کے ساتھی میری غار کے گرد بن رہے تھے۔ یقیناً یہ جادوئی جالا تھا۔ میں نے اپنی

ارتکا زکی توجہ سے اسے جلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ میرے لیے حیرت کا ایک جھٹکا تھا۔ میرے زمین پر آتے ہی تمام مخلوقات میرے گرد اکٹھی ہو گئی۔ اور پھر ایک انتہائی بدنما اور کافی موٹی مخلوق جو کم از کم پندرہ فٹ اونچی تھی، نے مجھے جالے سمیت اٹھا لیا اور ایک طرف کوچل پڑی۔ میں نے جلدی سے ارتکا ز توجہ سے اس مخلوق کو جلانے کی کوشش کی مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ مجھے احساس ہوا کہ اس جالے کی وجہ سے میری ارتکا ز توجہ کی قوت بھی کام نہیں کر رہی اور اب مجھے روحانی تھکاوٹ بھی محسوس ہو رہی تھی بالکل اسی طرح جیسے مشق کے دوران جب مشق کا اختتام قریب ہوتا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میری روح تھک سی گئی ہے۔ وہ مخلوق مجھے لیے تیزی سے جنگل میں سفر کر رہی تھی مجھے احساس ہو گیا کیا وہ مجھے جنگل سے باہر کی جانب لے جا رہی ہے۔ اس بدنما مخلوق

کے چار پاؤں تھے اور کم از کم چھ ہاتھ تھے۔ ایک شاخ نما دم بھی تھی۔ صرف چند لمحوں میں وہ مجھے لیے جنگل سے باہر آ گئی اور یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے کہ اس کا رخ اسی برگد کے جھنڈ کی طرف تھا جہاں میں جسمانی طور پر الٹی پالٹی مارے بیٹھا تھا۔ یقیناً اسے میرے جسم کا پتہ چل گیا تھا۔ نجانے کیوں مجھے پہلی بار بہت خوف محسوس ہوا اگلے ہی لمحے وہ مخلوق مجھے لیے اس جھنڈ میں میرے اپنے جسم کے سامنے تھی۔ باقی مخلوقات جنگل میں ہی رہ گئی تھیں۔ اس مخلوق نے اپنے ایک ہاتھ سے میرے جسم کو ہوا میں اٹھایا اور ایک درخت کے تنے کے ساتھ باندھنے لگی۔ میری روح ایک دم سے بے چین ہو گئی۔ شاید اس لیے کہ جسم روح کو واپس مانگ رہا تھا اور میری روح اس جادوئی جالے میں قید تھی۔ عجیب سی بلکہ کسی حد تک تکلیف دہ بے چینی تھی وہ۔ جب وہ میرے جسم کو اچھی طرح باندھ چکا تو اچانک

اس نے مجھے جالے سمیت میرے اپنے جسم پر اچھا دیا۔ ایک چھنا کہ
 سا ہوا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں درخت سے بندھا ہوا تھا۔ وہ مخلوق
 اب مجھے نظر نہیں آرہی تھی یقیناً وہ صرف روحانی آنکھ سے ہی نظر آسکتی
 تھی۔ اس نئی سچویشن نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ابھی میں اس سے
 نجات کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے گرد
 جھاڑیاں سی اکٹھی ہوتی نظر آئیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی اندیکھی
 قوت وہ جھاڑیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کر کے میرے گرد ڈالی جا رہی
 ہے۔ یقیناً یہ وہی مخلوق تھی جو اب مجھے نظر نہیں آرہی تھی۔ پھر کچھ ہی
 دیر میں میرے ارد گرد اتنا ڈھیر اکٹھا ہو گیا کہ میں خود اس میں دب کر
 رہ گیا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر کے روحانی پرواز کی کوشش
 کی تو مجھے اپنی گرد وہی جادوئی جال نظر آیا۔ وہ ابھی بھی میرے گرد تھا
 مگر میری انسانی آنکھوں کو نظر نہیں آرہا تھا۔ اس جال کی وجہ سے میری

روح بے بس تھی۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس مخلوق سے
چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے۔ ابھی میں اس کے بارے میں سوچ
ہی رہا تھا کہ یہ دیکھ کر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ ان
جھاڑیوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ اسی مخلوق نے ایک طرف سے ان
جھاڑیوں کو آگ لگا دی تھی۔ جھاڑیاں چونکہ کافی خشک تھیں اس لیے
آگ بہت تیزی سے میرے چاروں طرف پھیل رہی تھی اور میرے
قریب آتی جا رہی تھی۔ مجھے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ میں نے
ارتکاز توجہ سے اس آگ کو بجھانے کی بڑی کوشش کی مگر اس جادوئی
جالے کی وجہ سے میری کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔ اتنے میں
آگ میرے بہت ہی قریب آ گئی اور مجھے اس کی تپش اپنے جسم پر
محسوس ہونے لگی۔ میں شاید زندگی میں پہلی بار بہت خوفزدہ ہو گیا

تھا۔ مجھے اس مصیبت سے نجات کا کوئی راستہ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ آگ کی تپش میرے لیے ناقابل برداشت ہونے لگے اور نجانے کب میرے حلق سے درد بھری چیخیں نکلنے لگیں۔ آگ میرے سارے جسم کو جلانے جا رہی تھی۔ اس مصیبت کی گھڑی میں اچانک مجھے یاد آگیا کہ جب بھی میرے لیے سارے راستے بند ہوتے ہیں تو آیت کریمہ میری مدد کرتی ہے۔ بس اس خیال کے آتے ہی میں نے ہمت کر کے اپنی چیخوں پر قابو پایا اور اونچی آواز میں آیت کریمہ کی تلاوت کرنی شروع کر دی۔ آگ نے میرے جسم پر بہت سے آبلے بنا دیے تھے مگر میں اس تکلیف سے اپنے آپ بھلاتے ہوئے پورے انہماک سے آیت کریمہ پڑھ رہا تھا اور پھر میں آخری بار مکمل ارتکاز توجہ سے اپنے گرد موجود اس جادوئی جالے کو توڑنے کی کوشش کی۔ ایک جھٹکے سے میں آزاد ہو گیا۔ آیت کریمہ نے میری

پھر مدد کی تھی مگر شاید مجھے دیر ہو گئی تھی کیونکہ میرے چاروں طرف،
 اوپر اور نیچے آگ ہی آگ تھی اور میں اس آگ میں زندہ روسٹ
 ہوئے جا رہا تھا۔ میرے جسم کے گرد دریاں بھی اب جلی چکی تھیں۔
 اب میری قوت برداشت بھی ختم ہو گئی تھی اس لیے میرے حلق سے
 صرف اور صرف چیخیں نکل رہی تھیں۔ لیکن جیسے کہتے ہیں کہ جب
 بات جان بچانے کی بات ہو تو انسان کی پتہ نہیں کون کونسی قوتیں بیدار
 ہو جاتی ہیں اسی طرح پتہ نہیں کہاں سے میرے اندر اتنی قوت پیدا
 ہوئی کہ میں نے ایک لمحے کو اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنی روحانی
 آنکھوں سے خود اپنے جسم کو دیکھتے ہوئے ارتکا ز توجہ سے اسے اس
 آگ سے نکالا۔ اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ آخری احساس یہ تھا
 کہ میں اس آگ لگے جھنڈ سے کوئی بیس فٹ دور گھاس والی زمین پر
 لیٹا ہوا تھا اور میرا سارا جسم بری طرح جل چکا تھا۔ بس اس احساس

کے ساتھ ہی میں بے ہوش ہو گیا۔

جی ہاں بے ہوش اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر میں مر گیا ہوتا تو دوبارہ ہوش نہ آتا۔ مگر مجھے دوبارہ ہوش آیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک عجیب و غریب چھوٹی سی چیز میں پایا۔ ایک بوڑھا میرے سارے جسم کو چونگ دھڑنگ زمین پر پڑا تھا کسی مائع سے لپ کر رہا تھا۔ وہ مائع اس کے ہاتھ میں موجود پیالے میں تھا۔ جیسے ہی مجھے ہوش آیا میرے حلق سے تکلیف کے مارے چنیں نکلے لگیں۔ اس بوڑھے نے ایک عجیب سے جڑی بوٹی میرے ناک کے قریب کی اور مجھے پھر کوئی ہوش نہ رہا۔ دوبارہ ہوش آیا تو میں اسی طرح لیتا تھا اور میرے جسم پر عجیب سے بڑے بڑے پتے موجود تھے اور اب مجھے جلن بہت کم اور قابل برداشت حد تک محسوس ہو رہی تھی۔ لگتا تھا اس مائع لپ نے اپنا اثر کیا تھا۔ میں نے آنکھیں گھما کر ادھر ادھر دیکھا مگر قریب کوئی بھی نہیں

تھا۔ جھونپڑی میں بہت کم روشنی تھی۔ شاید باہر اندھیرا ہونے والا تھا۔ میں کچھ دیر اسی طرح پڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ مجھے اپنے محسن کی تلاش تھی مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک اسی طرح پڑے رہنے کے بعد آخر میں نے کچھ حرکت کا ارادہ کیا۔ کوشش کر کے میں اٹھا اور ابھی بیٹھ بھی نہ پایا تھا کہ مجھے تیز جلن نے بے حال کر دیا۔ میرے حلق سے پھر چیخیں نکلنے لگیں اور میں تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہوتا چلا گیا۔

تیسری بار ہوش آیا تو ہر طرف اندھیرا سا تھا۔ اور اس اندھیرے میں بس ایک چراغ روشن تھا۔ میرے جسم میں درد پھر قابل برداشت تھی اور اب کی بار میں نے ڈر کے مارے سر بھی ہلانے کی کوشش نہیں کی۔ صرف آنکھوں کو حرکت دے کر دیکھا کہ وہ بوڑھا میرے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور اس کی ہاتھ میں کوئی عجیب سے مالا تھی جس میں

بڑے بڑے پتھر چنے ہوئے تھے۔ اس نے کسی اجنبی سے زبان میں مجھے کچھ کہا۔ میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ پھر میں نے کچھ کہنے کی کوشش میں زبان ہلانے کی کوشش کی تو ایک صدمہ سا ہوا کہ میرا منہ سلا ہوا تھا۔ جی ہاں میرا منہ مکمل طور پر بند تھا اور میں زبان ہلانا تو دور کی بات منہ کھول بھی نہیں پارہا تھا۔ اس بوڑھے کو شاید میری اس کیفیت کا اندازہ ہو گیا اس لیے اس نے مجھے اشارے سے آرام کرنے اور حرکت نہ کرنے کا کہا۔ میں خاموش، زخموں اور نہ بولنے کے صدمے سے دوچار بے حرکت لیٹا رہا۔ پتہ نہیں کتنی دیر گزر گئی اور پھر میری آنکھ لگ گئی۔

آنکھ کھلی تو اپنی حالت پہلے سے کافی بہتر معلوم ہوئی۔ سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ میرا منہ اب کھل رہا تھا۔ میں نے کوشش کر کے سر ہلایا اور یہ جان کر اور بھی خوشی ہوئی کہ کوئی نئی تکلیف سر ہلانے سے

پیدا نہیں ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میری دائیں جانب جھونپڑی کا دروازہ تھا اور اس دروازے کے باہر وہ بوڑھا زمین پر بیٹھا کچھ اونچی آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ مگر وہ اجنبی زبان میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں کچھ دیر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک عجیب سا منظر میری آنکھوں نے دیکھا۔ اس بوڑھے نے تیزی سے کچھ زمیں پر پھینکا اور ایک سفید دھواں تیزی سے ہوا میں بلند ہوا۔ اس دھوئیں نے ایک ہیولے کی سی شکل اختیار کر لی اور پھر اس ہیولے میں ناک، کان اور آنکھیں نمایاں ہو گئیں۔ اس ہیولے کے بیچ و بیچ کوئی انسانی چہرہ نظر آ رہا تھا۔ یہ منظر بڑا ہی حیرت انگیز تھا۔

اس بوڑھے نے اپنی زبان میں اس ہیولے سے کچھ باتیں کیں اور ایک بار پھر کچھ اسی طرح زمین پر پھینکا تو وہ ہیولہ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اٹھ کر اندر آ گیا۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر وہ

میرے پاس آگیا۔ پھر اس نے مجھے سہارے سے اٹھا کر بیٹھا دیا۔
 اس بار مجھے اٹھنے سے تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ پھر اس نے ایک پیالے
 میں کوئی عجیب سا مائع مجھے پینے کے لیے دیا۔ میں نے آہستہ آہستہ
 چھوٹے چھوٹے گھونٹوں میں اسے پینا شروع کر دیا۔ وہ عجیب سا پانی
 تھا مگر اسے پینے کے کچھ لمحوں کے بعد ہی مجھ اپنے جسم میں نئی توانائی کا
 احساس ہوا۔ میں نے ممنوعیت سے اس بوڑھے کی طرف دیکھا۔
 بوڑھے کا چہرہ ساٹ تھا۔ اس میں خلوص یا ہمدردی نام کی کوئی چیز نہیں
 تھی۔ اس سے مجھے حیرت تو ہوئی مگر یہ سوچ کر میں نے اسے نظر
 انداز کر دیا کہ کچھ لوگوں کے چہرے ان کے جذبات کی درست
 ترجمانی نہیں کر رہے ہوتے۔

میں وہاں اس جھونپڑی میں تقریباً دس دنوں تک اسی طرح رہا۔ وہ
 بوڑھا روزانہ صبح کو میرے جسم پر وہ لیپ کرتا اور پھر انہی عجیب سے

پتوں سے میرا جسم ڈھک دیتا۔ تاہم میں نے محسوس کیا کہ وہ بوڑھا بہت ہی عجیب و غریب مشغال میں مصروف رہتا تھا۔ کبھی اسی ہیولے سے باتیں کرتا رہتا اور کبھی کچھ دیر کے لیے باہر جنگل میں چلا جاتا۔ ایک بار بارش ہوئی تو اس جھونپری کی چھت ٹپکنے لگی۔ اس بوڑھے نے پتہ نہیں کیا عمل کیا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شخص چھت پر چڑھ گیا ہو اور اس نے باقاعدہ اس حصے کی مرمت کی جہاں سے چھٹ ٹپک رہی تھی۔ ایسی ہی کچھ اور بھی عجیب و غریب حرکتیں میں نے اس سے سرزد ہوتی ہوئی دیکھیں۔ دس دن کے بعد اس نے لیپ کرنا بند کر دیا اور مجھے آزادی سے چلنے پھرنے کو کہا۔ تاہم اب اس نے ایک پتوں سے بنا لباس مجھے اوڑھنے کو دے دیا۔ میں حیران تھا کہ ان دس دنوں میں میرا مکمل طور پر جلا ہوا جسم بہت تیزی سے واپس بحالی کی طرف جارہا تھا۔

میں نے کچھ چلتے ہوئے جھونپڑی سے باہر قدم رکھا اور پھر کچھ دیر تک چہل قدم کرتا رہا۔ اسی شام میں نے اپنے روحانی مشق کی اور مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میری روح میرے جسم کی نسبت تروتازہ اور صحت مند تھی۔ پھر دوسرے دن میں نے اس بوڑھے سے اشاروں کی زبان میں بات کرنے کی کوشش کی۔ ویسے تو وہ ساری باتیں سمجھتا تھا اور مجھے جواب بھی دے رہا تھا مگر جب بھی میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کی کہ اس نے میری جان بچائی تو وہ ایسا بن گیا جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہو۔ میں نے ایک بار یہ بھی پوچھا کہ اس نے میری جان کیوں بچائی مگر اسے بھی وہ سنی ان سنی کر گیا۔

بہر حال میں نے اس سے جانے کی اجازت مانگی تو اس نے بڑے سخت سے انداز میں مجھے وہی رہنے کو کہا۔ مجھے لگا کہ وہ جنگل میں رہ کر خود بھی جنگلی بن گیا ہے اس لیے بجائے محبت سے مجھے اپنے پاس

روکنے کے وہ سختی سے ایسا کہہ رہا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اس کے اس انداز کو بھی نظر انداز کیا۔

اسی دن شام کو میں اکتاہٹ سے مجبور ہو کر آیان کو بلانے کا فیصلہ کیا۔ کوئی تو ہونا چاہیے تھا جس سے میں کچھ بات کر سکتا۔ سورہ جن مجھے حفظ ہو چکی تھی اس لیے میں نے وضو کیا اور اسے پڑھ کر آیان کو آوازیں دیں۔ تیسرے آواز پر وہ حاضر ہو گیا۔

”جی آقا!۔۔ آپ نے مجھے یاد کیا۔“ آیان نے غور سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں آیان!۔۔ بس خاموش رہ رہ کر اکتا سا گیا تھا۔“ میں نے بدستور اکتاہٹ سے کہا اور پھر اسے اپنے پریتنے والی کہانی سنا دی۔

”آقا!۔۔ میں نے تو آپ کو خبردار کیا تھا۔“ آیان نے مجھے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔“ میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ”غلطی میری

ہی ہے میں نے کچھ جلد بازی سے کام لیا۔“

”اب کیا ارادہ ہے آقا“ آیان نے پوچھا۔

”کچھ نہیں سوچا ابھی۔۔۔ فی الحال میں کسی طرح اس بوڑھے کا شکر

یہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے ہی میری جان بچائی ہے۔“ میں نے

ممنوعیت سے بھرے لہجے میں کہا۔

”آقا یہ بوڑھا کون ہے؟“ آیان نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم۔ یہ شاید نیپالی زبان بولتا ہے جو میری سمجھ میں نہیں

آتی۔“ میں نے بے چارگی سے کہا۔

ابھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ اچانک وہ بوڑھا آگیا اور یہ دیکھ کر

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے ایک دم آیان کی طرف دیکھا۔ یعنی

اسے آیان کی موجودگی کا عمل ہو گیا تھا جبکہ جن عام آدمیوں کو نظر نہیں

آتے۔ پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا۔ اچانک ہی آیان نے مودبانہ لہجے میں اس بوڑھے سے کہا۔

”حضور آپ!۔۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ویرانے میں آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔ ہم نے تو ہمیشہ آپ کو محل میں ہی دیکھا ہے۔“

میں آیان کے لہجے اور انداز پر بڑا حیران ہوا اور پھر دوسرا حیرت کا جھٹکا مجھے اس وقت لگا جب اس بوڑھے نے بھی اردو زبان میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو۔“

یہ میرے لیے بڑھی حیرت کی بات تھی کیونکہ اتنے دنوں سے ہم ساتھ رہ رہے تھے مگر اس نے ہمیشہ مجھ سے اشاروں میں بات کی اور میں بھی یہ سمجھتا رہا کہ شاید وہ کوئی اجنبی زبان سمجھتا ہے۔

”حضور!۔۔۔ یہ سلیمان صاحب کسی دور میں میرے آقا رہے ہیں۔
 بس کبھی کبھی یہ مجھے یاد کر لیتے ہیں تو ان سے دو باتیں کرنے آجاتا
 ہوں۔“ آیان نے اسی طرح مودبانہ لہجے میں کہا۔
 اس سے پہلے کہ وہ بوڑھا کچھ بولتا۔ میں جلدی سے بول پڑا۔
 ”آیان!۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔ اور آپ بوڑھے میاں!۔۔۔ پہلے تو
 آپ مجھ سے اشاروں میں بات کر رہے تھے یہ اچانک آپ ہماری
 زبان کیسے بولنے لگے۔“ میں نے حیرت کی شدت سے کہا۔
 ”ہم سب زبانیں بول لیتے ہیں مگر اسی وقت جب ضرورت ہو۔“
 اس بوڑھے نے بدستور سخت لہجے میں کہا۔
 ”آقا!۔۔۔ یہ مادھولال سرکار ہیں۔ مشرقی سولومن کے صوبیدار“
 آیان نے تعارف کرواتے ہوئے مجھے حیرت کا ایک جھٹکا دیا۔
 ”بس بس!۔۔۔ اب تم جاسکتے ہو۔“ مادھولال نے جلدی سے کہا۔

شاید اسے آیان کا تعارف کروانا پسند نہیں آیا تھا۔
 ”جو حکم سرکار!“ آیان نے کہا اور پھر بغیر مجھ سے اجازت لیے وہ
 وہاں سے چلا گیا اور میں حیرت کا بت بنا اس بوڑھے کو تکے جا رہا
 تھا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد میں نے ہی سلسلہ کلام دوبارہ شروع کیا۔
 ”میں تو آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا مگر آپ نے موقع ہی نہیں دیا۔
 کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس میں کیا مصلحت تھی؟“ میں بدستور
 حیرت زدہ تھا۔

”کبھی کبھی زیادہ جان لینا خطرناک ہوتا ہے اور یہ بات یہاں پر
 بالکل درست ثابت ہوتی ہے۔“ مادھولال نے اسی طرح سخت لہجے
 میں کہا۔ ”تمہاری اطلاع کے لیے صرف اتنا بتا دیتا ہوں کہ تم اس
 وقت طاش سرکار کی قید میں ہو اور مجھے تمہارا نگران بنایا گیا ہے۔“
 میرے سر پر حیرت کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے

بعد میں پھر گویا ہوا۔

”مجھے سخت حیرت ہے کہ اگر میں قید میں ہی ہوں تو مجھے مرنے سے بچایا کیوں گیا؟ میں نے اس جنگل میں گھس کر قانون شکنی کی تھی اس کی پاداش میں مجھے جلا دیا گیا۔ پھر تم نے یا پھر طالش سرکار نے مجھے کیوں بچایا؟“ میں نے انتہائی الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

مادھولال کچھ دیر تک خاموشی سے مجھے گھورتا رہا اور پھر ایک دم تیز لہجے میں بولا۔

”بس بس!۔۔۔ میں نے کہہ دیا نہ کہ کوئی اور بات نہیں۔ صبح طالش سرکار کی واپسی ہے۔ وہی تم سے مل کر کوئی فیصلہ کریں گے۔“ مادھو لال کا لہجہ حتمی تھا اس لیے میں نے مزید کوئی سوال نہیں کہا تاہم مجھے اب اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ میں یہاں ایک قیدی ہوں۔ وہ دن بھی کسی نہ کسی طرح گزر گیا اور پھر اگلے دن مادھولال میرے پاس

آیا۔

”چلو تیار ہو جاؤ!۔۔ آج تمہاری پیشی ہے طالش سرکار کے ہاں“
اس کا لہجہ حسب معمول سخت ہی تھا۔ ”اور یہ بھی بتاتا چلوں کہ طالش
سرکار غصے کے بہت تیز ہیں اس لیے ان کے سامنے جھوٹ بولنے یا
پھر کوئی چلا کی کرنے کی کوشش مت کرنا۔“

میں نے سر جھکا لیا۔ تیار کیا ہونا تھا۔ بس جسم سے وہ پتے اتار کر ایک
لباس جو مادھولال ہی لایا تھا اسے پہن لیا۔ اور پھر مادھولال نے
جھونپڑی کی ایک دیوار پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔ دیوار میں ایک دروازہ
نمودار ہوا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس دروازے کو کھول کر اندر
داخل ہو گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔ اندر داخل
ہوتے ہی مجھے ایک جھکا لگا۔ ہم ایک بہت ہی عظیم الشان محل کے
سامنے کھڑے تھے۔ مادھولال مجھے لیے ہوئے آگے بڑھا۔ محل کے

دروازے پر محافطوں نے جھک کر اسے سلام کیا۔ ایک بار تو میرے
دل میں آئی کہ میں یہاں سے بھاگ نکلوں۔ مگر مجھے اندازہ تھا کہ
مادھولال مزاحمت کرے گا اور چونکہ میں اس کا ممنون تھا کہ اس نے
میری جان بچائی ہے اس لیے میں فی الحال اس کو کوئی نقصان نہیں
پہنچانا چاہتا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں خود اب اس راز سے پردہ
اٹھانا چاہتا تھا کہ مجھے زندہ کیوں رکھا گیا۔ اور طاش جو کہ میرے
سارے خاندان کو قتل کرنے والا ہے۔ وہ مجھ سے ملنا کیوں چاہتا
ہے۔

محل میں داخل ہوتے ہی ہم لوگ ایک راہداری میں چل پڑے۔ اس
راہداری کے اختتام پر ایک دروازہ تھا جو بند تھا اور اس پر ایک دربان
کھڑا تھا۔ مادھولال نے اس دربان کے ہاتھ اپنے آنے کا پیغام اندر
بھجوایا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہمیں اندر بلا لیا گیا۔

اندر ایک عظیم الشان کمرہ سجا ہوا تھا۔ ایک سائیڈ پر اونچی جگہ پر ایک بڑی کرسی پڑی تھی جس پر ایک بدنما شکل والا جن بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے ہی فرعونیت پکی پڑ رہی تھی۔

”عظیم طالش سرکار کی خدمت میں بندہ قیدی لیے حاضر ہے۔“

مادھولال نے سر جھکا کر انتہائی مودبانہ انداز میں کہا۔

”ہوں!۔۔۔ تو یہ ہے وہ ہادی“ طالش جن نے انتہائی براسامہ

بناتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو بہت ہی بودا نکلا۔ وہ شوالہ تو ایسے ڈرار ہا تھا

جیسے یہ کوئی توپ چیز ہو۔“

”عظیم طالش سرکار کے سامنے تو توپ چیزیں بھی تنکے سے زیادہ

حیثیت نہیں رکھتی۔“ مادھولال نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

”طالش کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مجھے جلنے سے کیوں بچایا گیا۔ مجھے

علم ہے کہ تم نے میرے سارے خاندان کو قتل کیا اور میری بھی جان

کے پیچھے ہو۔ مگر مجھے سمجھ نہیں آئی کہ تم لوگوں نے میری جان کیوں بچائی۔“ میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہم کیڑوں مکوڑوں سے بات نہیں کیا کرتے۔“ طالش جن نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ”مادھولال اس کو تخت پر لے چلو“

”جو حکم سرکار!“ مادھولال نے مجھے ایک طرف کو کھینچتے ہوئے کہا۔ مگر اب میری ہمت جواب دے گئی تھی۔ میں نے ارتکا زتوجہ سے مادھو لال کو اٹھا کر دور پٹخ دیا اور پھر اپنی مکمل یکسوئی سے طالش جن کو دیکھتے ہوئے وہ ور شروع کر دیا جس سے جنوں کے جسم کو آگ لگ جاتی ہے۔ یہ وہ جن تھا جس نے میرے والدین کو میری ہوش سے پہلے ہی قتل کروا کر مجھے لاوارث کر دیا۔ طالش جن جو کسی قدر حیرت سے مادھولال کو دور گرتے دیکھ رہا تھا، ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔ اس نے گھور کر میری طرف دیکھا

شاید اسے جلنے والی تکلیف کا سامنا تھا اور پھر اس نے منہ ہی منہ میں
 کچھ پڑھا۔ دوسرا لمحہ میرے پر بہت بھاری تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے
 میرے سارے جسم میں آتش فشان بھر گیا ہو۔ میرے جسم کا ذرہ ذرہ
 آگ اگل رہا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی میرے حلق سے چیخیں نکل
 رہی تھیں۔ اتنے میں مادھولال اٹھ کھڑا ہوا اور پھر اس نے مجھے گھور کر
 دیکھا اور میرا جسم ہوا میں اٹھتا چلا گیا۔ یقیناً وہ بھی ارتکا زتوجہ کا ماہر
 تھا۔ پھر وہ مجھے لیے ہوئے دوسرے کمرے میں داخل ہوا جہاں پر
 ایک لکڑی کا تخت پڑا تھا۔ اس نے مجھے اس تخت پر لٹا دیا۔ جیسے ہی میرا
 جسم اس تخت سے مس ہوا ایک دن اس تخت کے دونوں اطراف سے
 چمڑے کے بیلٹ میرے سارے جسم کے گرد کتے چلے گئے۔ میں
 حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس تخت کا نچلہ حصہ جو
 میری کمر کے نیچے تھا تیز اور نو کیلے کیلوں میں تبدیل ہو گیا جو میرے

جسم میں تیزی سے گھس گئے۔ میرے حلق سے بے اختیار چیخیں نکلیں
تیز ہو گئی۔ طالش جن کے عمل سے تو میرا رواں رواں پہلے ہی آگ بنا
ہوا تھا مگر اب ان نو کیلے کیلوں نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ میں
نے دیکھا کہ میرے جسم سے خون تیزی سے نکل رہا تھا۔ مجھے اور تو
کچھ نہیں سوچا اپنے آخری داؤ کے طور پر میں اونچی آواز میں آیت
کریمہ تلاوت کرنا شروع کر دی۔ آیت کریمہ کی تلاوت کی برکت
سے طالش جن کے دیے ہوئے عذاب سے تو جان چھوٹ گئی مگر یہ
نو کیلے کیل مسلسل میرے جسم میں پیوست تھی اور خون بہت تیزی سے
نکل رہا تھا۔ اب میں نے غور کیا کہ وہ خون مختلف راستوں سے ہوتا
ہو اور زمین پر پڑے ایک بت کے سر پر گر رہا تھا۔ ابھی میں اسے
دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک تیز روشنی کا چھنا کہ ہوا اور میں نے عظیم سوالہ
کی روح کو دیکھا۔ عظیم سوالہ کے ہاتھ میں ایک لمبی سی چھڑی تھی۔ اس

نے وہ چھڑی زور سے مادھولال کی طرف جھٹکی اور مادھولال کا جسم کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ پھر انہوں نے اسی انداز میں چھڑی کو جھٹکا دیا اور میرے نیچے موجود تخت درمیان سے ٹوٹ گیا۔ میں بدستور بندھا ہوا تھا مگر اس کے ٹوٹنے ہی نوکیلے کیل غائب ہو گئے اور چھڑے کے بیلٹ خود بہ خود کھل گئے۔ بیلٹ کھلتے ہی میں ایک جھٹکے سے نیچے گر پڑا عظیم شوالہ نے میرے قریب آ کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور ایک دم میرے ارد گرد کا منظر تبدیل ہو گیا۔ اب میں ایک بند کمرے میں تھا جس میں ایک چار پائی پڑی ہوئی تھی۔ عظیم شوالہ نے جلدی سے ایک تعویذ میری طرف اچھالا۔

”اسے باندھ لو اور کبھی اپنے سے جدا مت کرنا۔ خدا تمہیں ان ظالموں سے محفوظ رکھے گا۔“ ان کے لہجے میں فکر مندی نمایاں تھی۔ اس تعویذ کو دیکھتے ہی مجھے یاد آیا کہ ایسا ہی تعویذ میرے پاس پہلے بھی

تھا مگر وہ آگ میں جلنے کی وجہ سے ضائع ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے وہ تعویذ اپنے گلے میں لٹکا لیا۔
اسی لمحے اس کمرے کا اکلوتا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان لڑکی اندر داخل ہوئی۔

”ثانی بیٹا!۔۔۔ یہ سلیمان ہے اور اب یہ تمہارے حوالے۔“ عظیم شوالہ نے جلدی سے کہا اور پھر تیزی سے ہوا میں بلند ہو کر تحلیل ہو گئے۔

یہ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا تھا۔ میں ابھی حالات کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ مجھے تیز چکر آیا اور میں لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا تھا۔ میری صحت پہلے بھی اچھی نہ تھی اوپر سے بہت سارا خون بھی نکل چکا تھا۔ نکاہت سے برا حال تھا۔ اس لڑکی نے، جسے عظیم شوالہ نے ثانی کے نام سے پکارا، مجھے اپنی ارتکا زتوجہ سے اٹھایا اور بستر پر لیٹا دیا۔

پھر وہ باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں جوس کا ایک گلاس تھا۔ جوس کا گلاس اس نے میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے چھوٹے چھوٹے گھونٹوں میں وہ گلاس ختم کیا تو جیسے جسم میں توانائی لوٹ آئی۔

”میں آپ کے حالات سے واقف ہوں اس لیے مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ آرام کریں اور کسی چیز کی بھی ضرورت ہو مجھے آواز دے دیجئے گا۔ میرا نام ثانیہ ہے۔ میں ابھی آپ کے لیے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔“ ثانی نے کہا اور مڑ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

میں ابھی بھی نکاہت محسوس کر رہا تھا۔ میری کمر پر زخم بھی ٹیسیں دے رہے تھے۔ اس لیے آنکھیں بند کیے لیٹا رہا اور اپنے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ میں جو اپنے آپ کو بہت بڑی روحانی قوت سمجھ بیٹھا تھا طالش

جن کے سامنے ایک بچے کی مانند تھا۔ اس نے کتنی آسانی سے مجھے شکست دے دی تھی۔ واقعی وہ بہت ہی زبردست قوت والا جن تھا اگر عظیم شوالہ عین موقع پر پہنچ کر مجھے بچانہ لیتے تو یقیناً آج میری زندگی کا آخری دن ہوتا۔ مگر یہ بات مجھے ابھی بھی الجھن میں ڈال رہی تھی کہ آخر ماہِ ہولال اور طالش جن نے مجھے جلنے کے بعد بچایا کیوں۔ اگر مارنا ہی مقصود تھا تو وہ مجھے آسانی سے اس حالت میں مار سکتے تھے۔ اور نہیں تو وہ مجھے ویسا ہی جلا ہوا بے ہوش چھوڑ دیتے تو یقیناً کچھ گھنٹوں کے بعد میری موت یقینی تھی۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ ثانی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ میں نے پہلی بار اسے بھرپور نظروں سے دیکھا اور مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ ”مجھے معلوم ہے کہ آپ کے زخم ابھی ہرے ہیں لیکن پھر بھی آپ پہلے یہ کھانا کھالیں پھر میں ان زخموں پر مرہم لگا دوں گی۔ پیٹ میں کچھ

جائے گا تو آپ کا جسم زیادہ بہتر زخموں کے خلاف مزاحمت کر سکے گا۔“ ثانی نے کھانا میرے آگے ایک میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ میں آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ کھانا کھانے لگا۔ ثانی مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔

”آپ نہیں کھائیں گیس؟“ میں نے مروتا پوچھا۔
 ”نہیں میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی کھانا کھایا ہے۔ اور آپ بھی کوئی تکلف نہ کیجئے۔ آپ زخمی ہیں اس لیے اس کھانے کا دوا سمجھ کر کھا جائیں۔“ اس بار ثانی کے لہجے میں شوخی تھی۔
 میں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ اور پھر لیٹنے لگا تو ثانی نے کہا۔
 ”لائیں میں آپ کی کمر پر مرہم لگا دوں۔ اس سے زخم جلدی بھر جائیں گے۔“ ثانی نے مجھے لیٹتے دیکھ کر کہا۔
 ”آپ زحمت نہ کریں میں خود ہی لگا لوں گا۔“ میں نے جھجکتے ہوئے

کہا کیونکہ وہ بہر حال لڑکی تھی۔

”اوہو!۔۔ کوئی تکلف نہیں۔ میں نے ایسا شخص اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا جو اپنی کمر پر نہاتے ہوئی صابن ہی لگا لے تو آپ مرہم کیا لگائے گے؟“ اس کے لہجے میں وہی شوخی تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کافی شوخ اور چنچل واقع ہوئی تھی۔ اب مزید تردد کرنا مناسب نہیں تھا کیونکہ مجھے زخموں میں ٹیسس اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں اور ان سے نجات اس مرہم سے ہی ممکن ہو سکتی تھی۔

میں نے ثانی کی طرف پیٹھ کی اور پھر اپنی قمیض جو کافی پھٹ گئی تھی کمر سے اٹھالی۔ ثانی نے مرہم لگانا شروع کر دیا۔ حالانکہ میری حالت ایسی نہ تھی کی اس سچویشن میں کچھ ایسا ویسا سوچتا مگر بہت عجیب سے احساسات کا تجربہ ہو رہا تھا جب بھی اس کا ہاتھ میرے جسم کو چھوتا تھا۔ کچھ دیر میں اس نے تمام زخموں پر مرہم لگا دیا۔ پھر مجھے آرام

کرنے کے کہہ کر چلی گئی۔

بستر پر لیٹتے ہوئے میں کچھ سوچ رہا تھا مگر پتہ نہیں کہاں سے تیز نیند کا جھوٹکا آیا اور مجھے سلا گیا۔ میں کافی دیر تک سوتا رہا اور پھر جب اٹھا تو کمرے میں زیر و پاؤر کا بلب آن تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ایک طرف کھڑکی تھی جو پہلے کھلی تھی مگر اب بند تھی۔ باہر یقیناً اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ گھڑی پر وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ رات کے تین بجے ہوئے تھے۔ شاید میں دوپہر سے اب تک سوتا رہا تھا اس لیے اب نیند پوری ہونے پر آنکھ کھل گئی تھی۔ میں اب نکاہت محسوس نہیں کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد میں نے چند قدم چلنے کا فیصلہ کیا۔ تاہم جیسے ہی میں اٹھ کر کھڑا ہوا ایک دم چکر سا آیا۔ مگر میں ہمت کر کے کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد میں نے چند قدم چل کر دیکھا۔ اب چکر نہیں آ رہا تھا۔ چند منٹ تک میں چہل قدمی کرتا رہا

اور پھر بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ سوچ کر میں آنکھیں بند کیں تاکہ اپنی روحانی آنکھوں سے اس گھر کا جائزہ لے سکوں مگر جیسے ہی میں نے ارتکاز توجہ کی کوشش کی ذہن بہت بری طرح چکرایا اور ساتھ ہی سر میں تیز درد شروع ہو گئی۔ تکلیف کی وجہ سے میں نہ چاہتے ہوئے بھی بستر پر لیٹ گیا۔ کافی دیر تک میں لیٹا رہا مگر سر درد ختم نہیں ہوا۔ پھر کچھ دیر تک یونہی بے حس و حرکت لیٹے رہنے سے مجھے ایک بار پھر غنودگی کا احساس ہوا اور پھر مجھے نیند آ گئی۔

دوبارہ تیز روشنی کے آنکھوں پر پڑنے کی وجہ سے آنکھ کھولی۔ دیکھا کہ ثانی کھڑکی کھول رہی تھی اور سورج چڑھ آیا تھا۔

”گڈ مارنگ!۔۔۔ سلیمان صاحب“ ثانی نے اپنے مخصوص شوخ لہجے میں کہا۔

”اسلام علیکم!“ بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا کیونکہ اماں اکثر

مجھے کہا کرتی تھیں کہ صبح کو اٹھ کر جب سب سے ملوں تو پہلے سلام کرو۔ اس سے سارے دن کے کاموں میں برکت ہوتی ہے۔ لیکن میرے اس طرح سلام کرنے سے ثانی شرمندہ سی ہو گئی۔

”وعلیکم اسلام!۔۔۔ سوری مجھے یوں انگریزوں کی طرح گڈ مارنگ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آخر ہم مسلمان ہیں۔“ ثانی واقعی شرمندہ تھی۔ ”کوئی بات نہیں۔ میں نے تو یونہی سلام کر دیا تھا۔ دراصل میری والدہ نے مجھے سکھایا ہے کہ صبح اٹھ کر سب سے پہلے جو بھی ملے اسے سلام کرو۔“ میں نے صاف لہجے میں اصل بات بتاتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی والدہ نے بہت اچھی تربیت دی ہے۔“ ثانی نے تعریفانہ انداز میں کہا اور میں اماں کے تذکرے پر افسردہ ہو گیا۔

”اچھا یہ بتائیں کہ اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟“ ثانی نے مجھے افسردہ دیکھ کر موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرا بہت خیال رکھا اور آپ کے لگائے ہوئے مرحم نے بھی خوب کام کیا۔“ میں نے ممنوعانہ انداز میں کہا۔

”چلیں یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ ثانی نے پھر اپنے مخصوص شوخی بھرے لہجے میں کہا اور پھر اچانک سنجیدہ ہوتی ہوئی بولی۔ ”آپ باہر آئیں گے تو دائیں جانب والا دروازہ واش روم کا ہے۔ آپ فریش ہو جائیں جب تک میں ناشتہ لگاتی ہوں۔“ اس نے جلدی سے کہا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ باہر نکل گئی۔

میں خاموشی سے اٹھ کر اس کے پیچھے ہی کمرے سے باہر آ گیا۔ یہ ایک کشادہ سالانہ تھا سا منہ شاید کچن تھا کیونکہ ثانی اندر داخل ہو رہی تھی۔ سائیڈ پر کھانے کا ٹیبل پڑا تھا اور بائیں جانب پہلا دروازہ واش روم کا اور دوسرا شاید کسی کمرے کا تھا۔

فریش ہونے کے بعد جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ ثانی نے ٹیبل پر ناشتہ لگا دیا تھا اور بیٹھی شاید میری انتظار کر رہی تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

”آپ یہاں اکیلی ہی رہتی ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
 ”جی نہیں!۔۔۔ میری رہائش تو شہر میں ہے میں ادھر دادا جان کی خواہش پر آئی ہوں تاکہ آپ کی میزبانی ہو سکے۔“ ثانی نے کہا اور پھر آملیٹ کی پلیٹ میرے سامنے رکھ دی۔
 ”آپ کے دادا جان؟“ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”عظیم شوالہ میرے دادا جان ہیں۔“ ثانی نے مجھے بتایا۔ ”وہ اکثر مجھے ملنے آ جاتے ہیں۔ میں اپنی دادی کی ساتھ بنگلور شہر میں ہی رہتی ہوں۔ بس آج صبح وہ مجھے ملنے آئے اور بولے کہ میں اس گھر میں جو

ہماری ہی ملکیت ہے ان کا انتظار کروں۔ آپکے بارے میں بھی انہوں نے مختصراً بتایا تھا ویسے میں پہلے بھی آپ کے بارے میں سنا ہوا تھا اس لیے ملنے کی حسرت بھی تھی سو چلی آئی۔“

”میرے بارے میں کہاں سے سنا ہوا تھا“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”سولومن میں اخبارات اسی طرح چھپتے ہیں جیسے کہ ہماری اس انسانی دنیا میں اور صرف سولومن کے باسی ہی اسے دیکھ اور پڑھ سکتے ہیں۔ میں بھی چونکہ سولومن کی شہری ہوں اس لیے میں نے بھی پڑھا ہے اور پچھلے دنوں سب سے بڑی خبر مشرقی سولومن کے نائب صوبیدار گوپی کشن کا ایک نوجوان جادوگر کے ہاتھوں قتل تھی۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ کچھ لوگ آپ کو ہادی بھی سمجھ رہے ہیں جو کہ غلط ہے۔“ ثانی نے بتایا آخر میں اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

”حیرت ہے۔ مجھے اس کا احساس ہی نہیں ہوا کہ میں اتنا مشہور ہو گیا ہوں۔“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے دادا جی نے بتایا تھا کہ آپ کے پاس حفاظتی تعویذ ہے اس لیے اب سرکاری کارندے آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ آپ یہاں پر ہی آرام سے رہیں جب تک کہ آپ مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتے۔ مجھے تو جانا ہو گا مگر آپ کو کیچن میں ہر قسم کی چیز مل جائے گی اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کچھ خاص قوتوں کے بھی مالک ہیں اس لیے روزمرہ کی زندگی کی کوئی بھی چیز حاصل کرنا آپ کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہو گی۔“ ثانی نے اپنے مخصوص انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

”میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔۔۔“ میں نے ابھی کہنا ہی شروع کیا تھا کہ اس نے مجھے ٹوک دیا۔

”اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ تاہم

اب مجھے چلنا ہوگا۔ میں کل کو پھر کسی وقت آؤں گی۔“ یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے اٹھ گئی۔

ثانی کے جانے کے بعد میں نے گھر کا جائزہ لیا۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت سا گھر تھا جہاں دو کمرے، ایک کچن، ایک واش روم اور لاؤنج تھا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ یہ ایک ویران سا علاقہ تھا جہاں دور دور کہیں کہیں کوئی مکان نظر آتا تھا۔ ہر طرف لہلہاتے کھیت ہی کھیت تھے شاید یہ کھیتی باڑی کا علاقہ تھا۔

میں اس جگہ تقریباً ایک ماہ تک رہا۔ ثانی تقریباً روزانہ کچھ دیر کے لیے ملنے آ جاتی تھی۔ وہ بہت اچھی لڑکی تھی اور میرے دل میں گھر کرتی جا رہی تھی مگر میں احسان فراموش نہیں تھا اس لیے میرے دل کی بات دل ہی میں رہی۔ اس دوران جہاں میں نے اپنی صحت بہتر بنانے پر توجہ دی وہی مجھے سلطنت سولومن کے بارے میں بھی بہت

سے نئی باتوں کا علم ہوا جیسے کہ اب میں روزانہ صبح ناشتے پر سولومن میں شائع ہونے والے اخبارات کا مطالعہ کرتا تھا۔ وہ اخبارات بھی عجیب ہوتے تھے۔ ایک پرندہ اڑتا ہوا آتا تھا اور اخبار پھینک کر چلا جاتا تھا۔ بالکل سفید اور خالی کاغذ کے ٹکڑے۔ میں اسے اٹھا کر ایک مخصوص کوڈ بولتا تھا جسے ثانی نے بتایا تھا اور اس اخبار پر عبارت نمایاں ہو جاتی۔ بقول ثانی کہ ہمارے علاوہ کوئی عام آدمی اس پڑھ نہیں سکتا تھا۔ ان خبروں سے مجھے سلطنت سولومن کے حالات کا اندازہ ہوا۔ سلطنت سولومن کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ شمال، مشرقی، مغربی اور جنوبی سولومن۔ ہر حصہ ایک خود مختار ریاست تھا۔ ہر ریاست کا صدر یا سربراہ صوبیدار کہلاتا تھا۔ ہر صوبیدار کے ماتحت چار چار نائب صوبیدار ہوتے تھے۔ یہ چاروں مختلف امور میں حکومت چلاتے تھے اور صوبیدار کو ہی جوابدہ ہوتے تھے۔ یہ سسٹم ہمارے ہاں کے وزرا کی

ہی طرح تھا۔ ایک نائب صوبیدار رہائش سے متعلقہ امور کا نگران تھا تو دوسرا معاشیات اور تجارتی امور کا۔ تیسرا تعلقات عامہ کو سنبھالتا تھا تو چوتھا قانون نافذ کرنے والا محکمہ۔ گوپی کشن قانون نافذ کرنے والے محکمے کا انچارج تھا۔ پاکستان، افغانستان اور ایران مشرقی سولومن کی حدود میں آتے تھے۔ سولومن کے باسیوں کی تعداد سترتالیس کروڑ بتائی جاتی تھی۔ جس میں سے تقریباً آدھے یعنی چوبیس کروڑ صرف مشرقی سولون میں ہی آباد تھے۔ ان سترتالیس کروڑ میں تقریباً ستر فیصد جنات تھے، دس فیصد انسان اور باقی بیس فیصد دیگر مخلوقات۔

جنات کا سب سے بڑا ایڈر طالوت جن تھا جسے ژبام شہنشاہ نے سنگ مور کی جیل میں بچھو ادیا تھا۔ جنات اس کے بغیر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی صورت میں تھے جو اکثر آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ یہی

باہم اختلافات شہنشاہ کے راج کو طول دینے کا باعث تھے۔
ایک دن ثانی مجھے اپنے استاد سے ملانے شہر لے گئی۔ اس کے استاد
محترم شہاب الدین صاحب بہت بڑے عالم اور نیک الفطرت
انسان تھے۔ انہوں نے مجھے ملتے ہی کہا۔

”آؤ سلیمان بیٹا!۔۔۔ مجھے ثانی نے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔
اب تمہاری صحت کیسی ہے؟“ ان کے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی۔
”جی میں اب اللہ کے فضل و کرم سے مکمل صحت یاب ہو چکا ہوں۔“
میں نے احترام سے جواب دیا۔

”بہت خوب۔ بیٹا مجھے تمہارے حالات کا کچھ کچھ علم ہے۔ میری دعا
ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صبر اور استقامت عطا فرمائے تاکہ تم اپنے اصل
مقام پر پہنچ سکو۔“ شہاب الدین صاحب نے دعا کرتے ہوئے
کہا۔

ابھی میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک آدمی شہاب الدین صاحب کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔

”سرکار سرکار!۔۔۔ وہ حسن کو پھر دورہ پڑا ہے۔ آپ جلدی چلیں۔“

اس آدمی کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔

”اوہ۔۔۔ اچھا چلو میں چلتا ہوں۔“ شہاب الدین صاحب نے چونکتے ہوئے کہا اور پھر مجھ سے معذرت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

میں اور ثانی بھی اٹھ کر باہر آ گئے۔ ثانی مجھے اپنی گاڑی میں بنگلور شہر دکھاتی رہی۔ بلاشبہ میں انڈیا میں تھا مگر یہاں پھرتے ہوئے مجھے قطعی محسوس نہیں ہوا کہ میں کراچی سے باہر ہوں اور پھر شام ہونے سے پہلے ہی ہم واپس پہنچ گئے مجھے اسی گھر میں ڈراپ کر کے وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

میں شہاب الدین صاحب کے بارے میں جاننے کا اشتیاق مند تھا

کیونکہ مجھے مزید طاقت حاصل کرنے کے لیے مزید علم سیکھنے تھے اسی سلسلے میں، میں شہاب صاحب سے ملنے گیا تھا مگر ان کے اس طرح جلدی اٹھ جانے سے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ گھر پہنچ کر میں اپنے مخصوص کمرے میں آ گیا اور پھر میں روحانی طور پر دوبارہ شہاب الدین صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز پڑھانے کے بعد وہ اپنے حجرے کی طرف چل دیے۔ ان کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑی بیٹی اپنے گھر کی ہو چکی تھی اس سے چھوٹی بیٹی کی بھی شادی سر پر تھی۔ اس کے بعد دو بیٹے تھے جو ابھی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ میں ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے واپس آ گیا۔ اگلے دن میں پھر ان کے ساتھ تھا۔ تقریباً دس بجے کے قریب وہ اسی شخص کے ساتھ پھر اس کے گھر گئے۔ مجھے تجسس ہوا کہ دیکھو کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ وہ شخص شہاب صاحب کو لے کر اپنے گھر

پہنچا۔ وہاں اس کا جوان بیٹا حسن رسیوں میں جکڑا بیٹھا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ حسن کے سر پر جناتی ہیولہ موجود تھا۔ شہاب صاحب کو دیکھ کر وہ بہت جنونی ہو گیا اور ان پر حملہ آور بھی ہوا مگر رسیوں میں جکڑے ہونے کی وجہ سے وہ بے بس تھا۔ شہاب صاحب نے اس کے قریب بیٹھ کر کچھ آیات پڑھ کر اسے دم کیا اور پھر واپسی کے لیے چل پڑے۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ حسن کی جان اس جن سے کیوں نہیں چھڑا رہے تھے۔ ابھی میں اسی کشمکش میں ہی تھا کہ مجھے اپنے گرد آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے جلدی سے واپسی کی چھلانگ لگائی اور اپنی جگہ آنکھیں کھول دیں۔ دیکھ کے سامنے پری زاد ثانیہ کھڑی غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ مجھے مسکراتا دیکھ کر وہ جھینپ سی گئی۔

”سلیمان!۔۔۔ یہ آپ کو نئے علم کی مشق کرتے ہیں۔ میں نے ایک

بار پہلے بھی آپ کو اس حالت میں دیکھا تھا مگر کچھ کہہ نہ سکی۔“ ثانی نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

”بس ایسے ہی خیالات کو اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔“ میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

”اچھا جیسے آپ کی مرضی۔“ ثانی نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں!۔۔ کوئی خاص بات نہیں ہے آپ تو ایسے ہی برا منا

گئی۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اچھا یہ بتائیں کہ کیا شہاب

الدین صاحب سے ملوانے لے چلیں گی؟“ میں نے پوچھا،

”ہاں ضرور!۔۔ کل تو ملاقات ہی ادھوری رہ گئی تھی۔“ ثانی نے کہا

اور میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہم لوگ شہاب الدین

صاحب کے مدرسے کی طرف جا رہے تھے۔

”کیا شہاب الدین صاحب روحانی علوم جانتے ہیں؟“ میں نے

پوچھا۔

”یقیناً!۔۔۔ مگر وہ اپنے آپ کو بہت ریزرو رکھتے ہیں۔ کبھی کوئی مافوق الفطرت حرکت سرزد ہونے ہی نہیں دیتے۔“ ثانی نے جواب دیا۔

”کیا وہ جنات کو بھی قابو کر لیتے ہیں؟“ میں نے اگلا سوال کیا۔
 ”معلوم نہیں۔“ ثانی نے مختصر سا جواب دیا۔

کچھ دیر میں ہم شہاب الدین صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ رسمی کلمات ادا کرنے کے بعد میں نے ان سے جلد ہی مطلب کی بات شروع کر دی۔

”محترم استاد!۔۔۔ کیا آپ مجھے روحانی علوم سکھنے میں کوئی مدد کر سکتے ہیں؟“ میں نے پوچھا تو وہ چونک پڑے۔
 ”کیا سیکھنا چاہتے ہو بیٹا!“ انہوں نے پوچھا۔

”میرے مقابلے میں بہت ہی خطرناک طاقتیں ہیں۔ جو بھی آپ سیکھا سکیں۔ میں آپ کا مشکور ہوں گا۔“ میں نے مودبانہ انداز میں کہا۔

”بیٹا!۔۔ ہم لوگ تو اللہ کی عبادت کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں ان قوتوں سے کیا لینا دینا۔ ہم سے سیکھنا ہے تو قرآن سیکھو یا پھر کوئی شرعی مسئلہ پوچھ لو۔“ انہوں نے عاجزی سے کہا۔

”استاد محترم!۔۔ ہم اپنی روح کو اتنا طاقت ور کیسے بنا سکتے ہیں کہ وہ جادوئی جالے کو توڑ سکے؟“ میں نے ایک سوال پوچھا تو شہاب الدین صاحب نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ثانی بھی مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”بیٹا!۔۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے کلام میں بڑی طاقت ہے۔ کوئی نہ کوئی طریقہ تو یقیناً ہوگا مگر میں معذرت چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں کوئی

راہنمائی یاد نہیں کر سکتا۔“ انہوں نے اسی طرح عاجزی سے کہا اور میں سمجھ گیا کہ وہ اس لائن کے بندے ہی نہیں ہیں۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ ان سے اجازت طلب کروں کہ وہی شخص آج پھر آدھمکا۔ ”سرکار!۔۔۔ کچھ وقت مل سکے گا؟“ اس نے اس بار کچھ سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”ہاں ضرور!۔۔۔ چلو میں دم کر دوں“ انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”سرکار!۔۔۔ گستاخی کی معذرت چاہتا ہوں۔ مگر کیا آپ کسی اور عامل کا پتہ بتا سکتے ہیں؟ ہم دیکھ رہے ہیں کہ پچھلے ایک ماہ سے آپ مسلسل دم کر رہے ہیں مگر کوئی افاقہ نہیں ہے۔ اگر آپ ہماری راہنمائی کسی اور عامل کے سلسلے میں کر دیں تو ہم بہت شکر گزار ہونگے۔“ اس شخص نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”دیکھو بھئی!۔۔۔ میں اپنی سی کوشش کر رہا ہوں اور اس کا تم سے کوئی

معاوضہ بھی وصول نہیں کر رہا ہوں۔ مجھے اگر کسی اور عامل کا علم ہوتا تو ضرورتاً تم کو پہلے ہی اس طرف روانہ کر چکا ہوتا۔ میری کوشش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے اس کو شفاء یاب کروں۔ یقیناً کلام پاک میں بہت طاقت ہے مگر اگر تم مطمئن نہیں ہو تو کوئی بات نہیں میں اپنا عمل بند کر دیتا ہوں۔“ شہاب الدین صاحب کے لہجے میں خلوص صاف محسوس ہو رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ آنے والے کے چہرے سے بھی شرمندگی ظاہر ہو رہی تھی۔

”اگر آپ اجازت دیں تو ایک نظر میں مریض کو دیکھ لوں؟“ اچانک میں نے کہا تو شہاب صاحب اور ثانی دونوں نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

”بیٹا!۔۔۔ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو تو ضرور چلو۔“ شہاب الدین صاحب جواب مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے کچھ دیر خاموش

رہنے کے بعد بولے۔ اور پھر ہم سب اس آنے والے آدمی کے ساتھ چل پڑے۔ کچھ دیر کے بعد ہم اس شخص کے گھر پر تھے۔ اب میرے سامنے حسن اسی طرح رسیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ شہاب الدین صاحب کو دیکھ کر وہ پھر ان پر حملہ آور ہوا۔ مگر اس بار میں شہاب الدین صاحب کے سامنے آ گیا۔ مجھے ایک دم سامنے دیکھ کر حسن رک گیا۔ اس کے چہرے پر حیرت تھی۔

”کون ہے تو اور کیوں اس جسم پر قابض ہے؟“ میں نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔

حسن نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر اونچے اونچے قہقہے لگانے لگا۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

”جوان!۔۔۔ بھاگ جا۔ بھاگ جا۔ نہیں تو مارا جائے گا۔“ میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ وہ آواز انسانی نہیں بلکہ جناتی تھی۔

”اچھا۔۔۔ تو تم جن ہو۔“ میں نے اسی طرح کڑک دار لہجے میں کہا۔ ”میں تمہیں آخری موقعہ دیتا ہوں کہ اسے چھوڑ دے ورنہ جلا کر بھسم کر دوں گا۔“

حسن پر قابض جن نے گھور کر مجھے دیکھا اور پھر قہقہے لگانے لگا۔ میں نے اس جن پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اسے جلانے والی آیات کا ورد شروع کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد ہی اس جن کی چیخنے چلانے کے آوازوں سے وہ گھر گونج اٹھا۔

”تت۔۔۔ تت۔۔۔ تم کون ہو۔“ اس جن نے چیختے ہوئے بامشکل پوچھا۔

”جو کوئی بھی ہوں۔۔۔ تم چھوڑ رہے ہو یا پھر میں اپنا عمل مکمل کرو تاکہ تم مکمل طور پر جل جاؤ۔“ میں نے بدستور کڑک لہجے میں کہا۔ ”ٹھیک ہے میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔ مگر خدا کے لیے اس آگ کو بند

کرو۔“ اس جن کے سب کس پیل نکل گئے تھے۔

”چل باہر آ پہلے۔“ میں نے اصرار کیا۔

اسی لمحے میں نے دیکھا کہ ایک جن حسن کے پاس کھڑا مجھے گھور رہا تھا اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار بہت نمایاں تھے۔ حسن بے ہوش گرا پڑا تھا۔

”کیا نام ہے تیرا“ میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”سنیان“ اس نے تکلیف دہ لہجے میں جواب دیا۔

”دیکھ سنیان!۔۔۔ اب کی بار میں تجھے چھوڑ رہا ہوں۔ اگر دوبارہ تو

نے اس شخص پر قابض ہونے کی کوشش کی تو پھر تجھے جلنے سے کوئی

نہیں بچا سکے گا۔“ میں نے کڑک دار لہجے میں کہا۔ اور پھر دوسری

آیات کا ورد کر کے اسے اس تکلیف سے نجات دلائی۔

میں نے دیکھا کہ وہ وہی کھڑا مجھ کی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

”مجھے سے دشمنی بڑی مہنگی پڑے گی جوان“ اسنے اس بار دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے اس کا جواب دینے کی بجائے اپنی ارتکاز کی توجہ اسے جکڑ لیا۔ اور پھر ایک بار ہوا میں بلند کر کے بہت تیزی سے زمین پر دے مارا۔ وہ دھڑام سے زمین پر گرا۔ اسے اچھی خاصی چوٹ آئی تھی اور اس کے چہرے پر تکلیف اور حیرت سے ملے جلے تاثرات تھے۔

”سنیان!۔۔۔ اتنا سبق بہت ہے یا پھر کچھ مزید کروں“ میں نے اسی طرح کڑک دار لہجے میں کہا۔

”مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہاری طاقت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اب میں دوبارہ کبھی اس طرف کارخ نہیں کروں گا۔“ اس نے بے بسی سے کہا۔ وہ ابھی تک میری توجہ کی گرفت میں تھا۔ یہ سن کر میں نے اسے آزاد کر دیا اور وہ دم دبا کر بھاگ گیا۔

اس کے جاتے ہی میں نے چھپے مڑ کر دیکھا تو شہاب الدین اور ثانی کو انتہائی حیرت کا شکار پایا۔

”تم یہ سب کیسے جانتے ہو۔“ ثانی نے بے اختیار ہوتے ہوئے پوچھا۔

”بس ایک بزرگ کی محبت ہے ورنہ میں کیا چیز۔“ میں نے عاجزی سے کہا۔

حسن کا والد بہت خوش تھا اس نے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ وہاں سے رخصت ہو کر ہم شہاب الدین صاحب کو مدر سے چھوڑ کر واپس گھر آ گئے۔ ثانی مجھے بار بار غور سے دیکھتی تھی مگر بولتی کچھ نہیں تھی۔ گھر پہنچ کر وہ بولی۔

”سلیمان صاحب!۔۔ کیا آپ یہ جنات والا علم مجھے سیکھا سکتے ہیں۔“ اس کے لہجے میں معصومیت تھی۔ ”اس سے پہلے دادا جی نے

مجھے ارتکا زتوجہ یعنی یکسوئی حاصل کرنے کا طریقہ بتایا تھا۔ اس سے میں بہت بڑے بڑے کام جو شاید جسمانی طور پر میں نہ کر سکوں کر لیتی ہوں۔ مگر مجھے اور بھی علوم سیکھنے کا شوق ہے جیسے یہ جنات سے لڑنا اور ان کو اپنے قابو میں کرنا۔“

”اس کے لیے سورہ جن کا چلہ کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ کوئی خاص علم نہیں ہے۔ میں خود ایک طالب علم ہوں اور مزید علم سیکھنے کا خواہش مند ہوں تاکہ طالش سرکار سے مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں آسکوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”جیسے آپ کی مرضی“ ثانی نے بچھے ہوئے لہجے میں کہا۔
 ”اچھا چلو۔۔۔ ناراض مت ہو میں تمہیں سکھاتا ہوں۔“ میں نے اس کے لہجے سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ اور پھر میں اسے سورہ جن کا عمل بتانے لگا۔ یہ چالیس دن کا چلہ تھا۔ وہ اس عمل کی تفصیل بہت

غور سے سن رہی تھی۔

”یہ عمل کر کے میں جس جن کو چاہوں گی اپنا غلام بنا سکوں گی۔“ ثانی نے پوچھا۔

”نہیں۔ مگر تمہارے روحانی حواس جاگ جائیں گے۔ تم جنات کو دیکھ سکو گی۔ اس کامیاب عمل کے بعد ایک اور چھوٹا سا عمل ہے جس سے کسی کو غلام بنایا جاسکتا ہے۔“ میں نے تفصیل بتاتے ہوئے۔

”اچھا ٹھیک ہے پہلے میں یہ چالیس دن والا عمل کر لوں۔ پھر پوچھوں گی کہ کسی جن کو کیسے غلام بنایا جاتا ہے۔“ ثانی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کو اس کی کیا ضرورت پڑ گئی؟“ میں نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بس ویسے ہی۔ شاید کہیں ضرورت پڑ جائے۔“ ثانی نے سادہ سے

لہجے میں کہا۔ شاید وہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔
 کچھ دیر اسی طرح کی باتیں کر کے وہ چلی گئی۔ مگر میں سوچ میں پڑ گیا
 میری تو انائی بحال ہو چکی تھی اور میری روحانی صلاحیتیں بھی لوٹ آئی
 تھیں۔ اس لیے اب میں کچھ ایسے عمل سیکھنے کے لیے بے تاب تھا کہ
 جن کی مدد سے میں طالش سے ٹکریں سکوں۔ مجھے تو ویسے ہی اس
 سے بڑے حساب چکنا کرنے تھے اوپر سے اس نے میرے ساتھ ایسا
 سلوک کر کے ایک اور قرض میرے سر ڈال دیا تھا۔ پھر مجھے عظیم شوالہ
 کا خیال آیا۔ اگر میں ان کی روح کو بلا کر پوچھوں کہ وہ مجھے تک کیسے
 پہنچے وراخ طالش نے مجھے بچانے کے بعد مارنے کی کوشش کیوں
 کی۔ یقیناً وہ اس کا جواب دے سکیں گے۔ یہ سوچ کر میں نے ایک
 کمرے میں رات کو عمل کرنے کے پروگرام بنایا۔
 رات کو جب میں نے عمل شروع کیا اور ابھی میں نے تیسری بار ہی

عظیم شوالہ کی روح کو پکارا تھا کہ وہ آگئی۔
 ”کیا بات ہے سلیمان“ عظیم شوالہ کی روح نے پوچھا۔
 ”میں تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں مگر کچھ سوالات ایسے ہیں کہ
 مجھے آپ کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا جو جواب دے سکے اس لیے میں
 نے آپ کو بلانے کی تکلیف دی۔“ میں نے ڈرتے ہوئے کہا کیونکہ
 پچھلی بار جب میں نے انہیں بلایا تھا تو وہ کچھ خفا لگ رہے تھے۔ جیسے
 انہیں میرا بلانا اچھا نہ لگا ہو۔
 ”ہاں بولو۔ میں کوشش کروں گا کہ جتنا جانتا ہوں۔ وہ بتا سکوں“
 عظیم شوالہ کی روح نے کہا۔
 ”طالش جن نے مجھے جلنے کے بعد کیوں بچایا۔ اور اگر مادھولال کی
 مدد سے بچا ہی لیا تھا تو پھر مارنے کے لیے اس جادو کی تخت کے
 حوالے کیوں کیا؟“ میں نے فوراً سوال کر دیا۔

”بیٹا!۔ ایک بات یاد رکھو۔ طالش جن تمہارا اس دنیا میں سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس لیے اس کا کوئی بھی عمل تمہیں کسی بھی طرح سے دھوکے میں نہ ڈال دے کہ شاید وہ تمہارے بارے میں کوئی ہمدردی رکھتا ہے۔ اسی نے تمہارے ماں باپ کو قتل کیا۔ ثبام بادشاہ کی طرح یہ بھی بہت ظالم اور بے رحم ہے۔ تمہیں بچانے کا فیصلہ اس کا نہیں تھا۔ تم خود اپنی کوشش سے بچ گئے تھے۔ ہاں عین اس وقت جب تم بھاگنے والے تھے طالش جن نے تمہیں بے ہوش کر دیا۔ اس طرح اس نے تمہیں بھاگنے سے روک لیا۔ اور پھر اس نے مادھولال کو اس لیے تمہاری تیمارداری کی ڈیوٹی لگائی کیونکہ مادھولال نے طالش کو بتایا تھا کہ اگر جادوئی تخت کے ذریعے تمہارا خون شیطان کے بہت ہی عزیز بت پر ڈالا جائے تو تمہاری موت کے فوراً بعد تمہاری روح طالش کی غلام بن جائے گی۔ اور یہ سچ بھی ہے۔ چونکہ تم ایک

ہادی ہو اس لیے تمہاری روح کو کچھ خاص قوتیں حاصل ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں ہیں اس لیے طالش جن لالچ میں آ گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد حاصل نہ ہوتی اور میں عین وقت پر نہ پہنچ جاتا تو شاید وہ اپنے عمل میں کامیاب ہو چکا تھا۔“ عظیم شوالہ نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا اور میرا دماغ اس ساری پلاننگ کے بارے میں سن کر ہی چکر اسا گیا۔

”مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی۔ طالش جن اتنا طاقت ور ہے تو وہ مجھے تلاش کیوں نہیں کر سکتا؟ یہ جو آپکا دیا ہوا تعویذ ہے کیا یہ اتنا ہی طاقت ور ہے کہ وہ مجھے تلاش نہیں کر سکتا۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”تمہاری بات سچ ہے اور اس سوال سے تمہاری روحانی بصیرت کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ دراصل اس سوال کا جواب بہت گہرا ہے۔ مگر

میں تمہیں مختصر جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت کے لیے ایک خفیہ بندوبست کیا ہے۔ تمہارا مستقبل لوح محفوظ پر نقش نہیں ہے جو کہ ایک اچنبھے کی بات ہے۔ ہر انسان کا جو اس دنیا میں آجاتا ہے اس کا مستقبل، اس کی وفات تک کے حالات، سب لوح محفوظ پر نقش ہوتے ہیں۔ اور بہت بڑی روحانی طاقت کے حامل انسان اس لوح محفوظ سے کسی بھی انسان کے مستقبل کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ طالش جن، جنات کی تاریخ کا سب سے طاقتور جن ہے اس لیے وہ بھی جب کسی انسان کی موجودہ جگہ کے بارے میں جاننے خواہش کرتا ہے تو اسی لوح محفوظ سے اس کا مستقبل اور حال پڑھ لیتا ہے۔ چونکہ تمہارا مستقبل اس پر نقش ہی نہیں ہے صرف ماضی ہی نقش ہوتا ہے اس لیے وہ بے بس ہے اور تم تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس علم کے علاوہ ایک اور عام سا علم ہے جس میں روحانی

آنکھ کی مدد سے کسی بھی انسان یا جن کو ساری دنیا میں سکیئنڈز میں تلاش کر لیا جاتا ہے۔ مگر اس علم کا توڑ یہ تعویز ہے۔ لہذا طالش جن اب دونوں طریقوں کو استعمال کر کے تم تک نہیں پہنچ سکتا۔“ عظیم شوالہ نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں ہی ہادی ہوں۔ آپ کو یا طالش جن کو میرے ہادی ہونے کا کیسے پتہ چلا؟“ میں نے اگلا سوال کیا۔

”بس اس سوال سے میں ڈرتا تھا۔“ عظیم شوالہ کی روح کچھ اضطراب کا شکار نظر آئی۔ پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد انہوں نے کہنا شروع کیا۔

”سچ میں بہت طاقت ہے۔ اس لیے میں سچ ہی بولوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حماقت مجھ سے ہوئی تھی۔ جب طراہہ کے پاؤں بھاری

ہوئے تو تمہارے والد ارمغان نے تمہارے مستقبل کے بارے میں جاننے کی کوشش کی مگر یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ تمہارا کوئی مستقبل لوح محفوظ پر نقش نہ تھا۔ اس نے اس سلسلے میں مجھے آگاہ کیا۔ میرے لیے بھی یہ حیرت کی بات تھی کیونکہ تم میری زندگی کے واحد انسان تھے جس کا مستقبل لوح محفوظ پر نقش نہیں تھا۔ اس لیے تجسّس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے قدرت کے عمل میں مداخلت کرتے ہوئے تمہارے والد ارمغان کی اجازت سے لوح مخصوصہ جو اللہ کے خاص لوگوں کے مستقبل کے نقش کو محفوظ رکھتی ہے تک رسائی حاصل کی۔ ایسا صرف انسان ہی کر سکتا ہے کوئی جن نہیں کیونکہ انسان اللہ کا نائب ہے۔ اور لوح مخصوصہ خاص فرشتوں کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ وہاں میں نے تمہارا مستقبل ایک ہادی کی صورت میں دیکھ لیا۔ اور پھر جوش میں آ کر ارمغان کو بتا دیا۔ ہم لوگوں نے خیال نہیں کیا کہ ارمغان کا

ایک غلام جن شرارتا ہمارے باتیں سن رہا تھا۔ وہ طالش کا خاص
 چیلہ تھا۔ لہذا اس نے یہ بات طالش تک پہنچا دی۔ چونکہ ہادی کا
 مطلب تھا کہ تم ژبام شہنشاہ کی شہنشاہت مٹانے آرہے ہو اور طالش
 کی حاکمیت بھی ژبام شہنشاہ کے دم خم سے ہی ہے اس لیے وہ تمہارا
 دشمن ہو گیا۔ چونکہ ارمغان بھی بہت سی طاقتوں کا مالک تھا اس لیے
 طالش نے دھوکے سے اسے مروادیا اور مشہور کر دیا کہ وہ شہنشاہ کا
 غدار تھا۔ جب میں نے مداخلت کرنے کی کوشش کی تو میرے بھی
 خلاف ہو گیا اور پھر میرے ایک دیرینہ دشمن کی مدد سے اس نے مجھ پر
 بھی قابو حاصل کر لیا۔ مجھے راستے سے ہٹا کر وہ تمہاری تلاش میں
 طرابہ سے ٹکرا گیا۔ طرابہ نے بہت مقابلہ کیا مگر وہ طالش کے مقابلے
 میں کچھ بھی نہ تھی اس لیے وہ بچاری بھی اپنی جان سے گئی۔ تاہم
 مرتے ہوئے اس نے تمہیں اپنے ایک غلام جن کے حوالے کر دیا۔ یہ

ہے ساری کہانی اور میری کوتاہی جس نے اتنی ساری جانیں بھی لے لیں اور اللہ تعالیٰ کے قدرتی عمل میں بھی خرابی ڈالی۔ ورنہ تم اس وقت تک ایک نارمل زندگی گزارتے جب تک کہ تم ہادی کے روپ میں مکمل طور پر ڈھل نہ جاتے۔ پھر کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔“ عظیم شوالہ نے افسردہ سے لہجے میں بہت سارے رازوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ میرے لیے بہت ساری باتیں نئی تھیں۔ کچھ دیر میں ان تمام معلومات پر سوچنا رہا۔ آخر میں نے کہا۔ ”میں اسے آپ کی کوتاہی نہیں سمجھتا۔ شاید اللہ کو یونہی منظور تھا ورنہ آپ کبھی لوں مخصوصہ تک نہ پہنچ سکتے۔ بہر حال اب آپ مجھے راستہ بتائیں کہ میں کیسے اتنی طاقت حاصل کر سکتا ہوں کہ طاش کا مقابلہ کر سکوں اور واقعی ہادی کی صورت میں ثبام شہنشاہ کے ظلم کو اس کے انجام تک پہنچا سکوں۔“

”بیٹا!۔۔ میں تمہیں بہت کچھ دے سکتا تھا مگر چونکہ میں اس دنیا کا حصہ نہیں ہوں، اس لیے میں اب کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہارے آزادی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے والدین نے بہت گڑگڑا کر دعائیں کیں تھیں اس لیے مجھے اجازت ملی۔ مگر اب مزید میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ یہ سب تم نے خود ہی کرنا ہے۔ اور ہم سب کو تم سے یہ امید ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح راستہ نکال ہی لو گے۔“ عظیم شوالہ نے صاف ہی جواب دیتے ہوئے کہا۔ مجھے ان سے یہ امید نہ تھا۔ اس لیے کچھ دیر تو میں ہکا بکا سارہ گیا۔ بہر حال پھر کچھ سوچ کر بولا۔

”مگر کیا آپ میری راہنمائی کسی ایسے استاد تک نہیں کر سکتے جو مجھے اس مقام تک پہنچنے میں مدد کر سکے۔“

”ہاں۔۔ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ میں ایک ایسے انسان کو جانتا ہوں

جو خود بھی طالش کا ساتھی ہے مگر اس کو ایسے علوم کا علم ہے جن سے طالش جن کا توڑ کیا جاسکتا ہے۔ وہی اصل میں میرا بھی قاتل ہے جس نے طالش کے ساتھ مل کر مجھے قتل کیا تھا۔“ عظیم شوالہ کی روح نے کہا۔

”کون ہے وہ؟“ میں نے جلدی سے کہا۔

”جو الا پروہت۔ وہ افریقہ میں رہتا ہے اندرون افریقہ ایک ریاست ہے زوگا بے۔ وہ اس کا سرکاری پروہت ہے۔ پروہت وہاں روحانی پیشوا کو کہتے ہیں۔ مگر جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ میرا دشمن ہے اور طالش کا خاص ساتھی اس لیے وہ کبھی بھی تمہیں تر بیعت نہیں دیگا۔ تاہم اگر تم کسی طرح اس کا اعتماد حاصل کر لو اور اس کے خاص چیلوں میں داخل ہو جاؤ تو اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہو۔“ عظیم شوالہ نے کہا۔

”میں صبح ہی چلا جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً میری مدد کریں گے اور میں اپنے مقصد میں کامیاب و کامران لوٹوں گا۔“ میں نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔ چونکہ مزید میرے پاس پوچھنے کو کچھ نہ تھا اس لیے میں نے عظیم سوالہ کی روح کو خدا حافظ کہا اور خود افریقہ جانے کا پروگرام بنانے لگا۔

اگلی صبح جب ثانی مجھے حسب معمول ملنے آئی تو میں نے اسے اپنے جانے کی بات بتائی۔ ایک دم اس کا چہرہ اتر سا گیا۔ پھر وہ بولی۔ ”یقیناً آپ کا جانا ضروری ہے کیونکہ آپ ایک مشن پر کام کر رہے ہیں۔ بہر حال اگر زندگی کے کسی بھی موڑ کچھ وقت ملے تو مجھے ضرور یاد رکھیے گا۔“ ثانی کا لہجہ بہت اداس تھا۔

”ثنانی تم تو سمجھتی ہو کہ میرا جانا کتنا ضروری ہے۔ مجھے اماں اور بابا کے بعد اگر کسی سے انسیت ہوئی ہے تو وہ تم ہو۔“ میں نے اس کی آنکھوں

میں دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے جلدی سے آنکھیں جھکا لیں۔ یقیناً وہ میرے جذبات سمجھ گئی تھی۔ مگر میں نے اپنے آپ کو بہکنے سے روکا۔ میرے مشن میں اس قسم کی ذاتی خواہشات کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ پھر میں نے موضوع بدلنے کے لیے کہا۔

”بس اب میں کچھ دیر بابا کے پاس جاؤں گا اور پھر افریقہ کی طرف نکل پڑوں گا۔ آگے جو اللہ تعالیٰ کو منظور۔“ میں نے ثانی کو اپنا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

پھر کچھ دیر باتیں کر کے میں نے اس سے اجازت لی اور گھر سے باہر نکل آیا۔ کچھ دور جا کر میں نے ایک دیور کی اوڑ میں اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر اپنی روح کی آنکھیں کھلتے ہی ارتکا زتوجہ سے اپنے جسم کو اٹھا کر سیدھا کراچی میں اپنے گھر پہنچ گیا۔ بابا ابھی دوکان پر نہیں گئے تھے۔ پچارے خود ہی ناشتہ تیار کر رہے تھے۔ وہ مجھے کافی کمزور

بھی محسوس ہوئے۔ اچانک مجھے اپنے پاس دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔

”بیٹا!۔۔۔ اب تو تمہیں دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں۔“ بابا نے نم آنکھوں سے کہا۔

”بابا!۔۔۔ آپ جانتے ہیں کہ میری بھی کتنی خواہش ہے کہ آپ سے ملوں اور آپ کے ساتھ رہوں مگر میرے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔ میں پہلے ہی اپنی اماں کو اس غلطی کی وجہ سے کھو چکا ہوں۔“ میں نے بھی جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

”اچھا بیٹا!۔۔۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ جیسے اس کی مرضی۔“ بابا جی نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”بابا!۔۔۔ آپ مجھے اپنا بیٹا مانتے ہیں۔ کیا مجھے اپنے لیے کچھ نہیں کرنے دیں گے؟“ میں نے سوال کیا۔

”کیا مطلب ہے بیٹا!“ بابا نے چونک کر پوچھا۔
 ”بابا!۔۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میرے ہوتے ہوئے آپ دوکان پر
 کام کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک اچھا سا مکان آپ کو لے کر دوں
 اور کچھ نوکر بھی جو آپ کی دیکھ بھال کریں۔ بہت کام کر لیا آپ نے
 اب بس آرام کریں۔“ میں نے اپنے دل کی بات کرتے ہوئے
 کہا۔

”بیٹا!۔۔ مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔ میں اس حال میں خوش
 ہوں۔ ساری زندگی دوکانداری کی ہے اب تو اس کے بغیر میں رہ بھی
 نہیں سکتا ہوں۔ تم میری فکر نہ کروں۔ تم خود بہت ہی غیر معمولی
 حالات کا شکار ہو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہے کہ اللہ تمہیں
 تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔“ بابا نے بڑے سنجیدہ لہجے میں
 کہا۔ میں نے ان کو اپنے حالات بتائے اور پھر افریقہ جانے کی

اجازت طلب کی۔ مگر انہوں نے ایک رات رکنے کا کہا۔ میں ان کی بات ٹال نہ سکا۔

اگلی صبح میں نے اجازت لے کر پہلے اپنی روح کی مدد سے براعظم افریقہ کا جائزہ لیا۔ اور پھر کچھ تگ و دو کے بعد زوگا بے کی سلطنت کا پتہ چلا ہی لیا۔ پھر میں نے اپنے جسم کو وہاں منتقل کیا۔ میں نے اپنے جائزہ کے دوران دیکھ لیا تھا کہ یہ ریاست جنگلی قبائل پر مشتمل تھی۔ ان میں کچھ قبائل آگ کی پوجہ کرتے تھے اور کچھ سورج کی۔ میں ایک ایسے ہی قبیلے کے پاس رکا تھا جو ان سب میں زیادہ سلیقہ شعار اور سورج کی پوجہ کرنے والا تھا۔ میرا پروگرام تھا کہ میں اپنی روحانی طاقتوں کی وجہ سے اس قبیلے میں جگہ بناؤں گا۔ اور پھر وہاں سے کسی طرح جو والا پروہت تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

میں اندازے سے آبادی کی طرف چل پڑا۔ ابھی میں آبادی سے کچھ

دور ہی تھا کہ اچانک میں نے ایک تیز سٹی کی آواز سنی۔ ابھی میں اس پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک تیز بھاگتے لوگوں کی آوازیں آئی۔ وہ جنگلی تھے۔ تعداد میں چھ۔ انہوں نے بھالے اٹھا رکھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے بھالے میری طرف سیدھے کر لیے۔ میں نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر انہیں اپنے نہتے ہونے کا احساس دلایا اور یہ بھی کہ میں ان سے جنگ نہیں چاہتا۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے عجیب سے زبان میں کچھ کہا۔

”میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا۔ مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔“ میں نے اپنے طور پر بولتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی ساتھ میں ہاتھوں سے اشارے بھی کر رہا تھا تا کہ انہیں کچھ نہ کچھ بات سمجھ آ جائے کیونکہ ظاہری بات ہے کہ وہ میری زبان نہیں سمجھتے تھے۔ میری بات کو کسی حد تک سمجھتے ہوئے وہ مجھے اپنے گھیرے میں لے

کر آبادی کی طرف چل پڑے۔ تھوڑی دیر میں ہم آبادی میں پہنچ گئے۔ پھر مختلف راستوں سے گزر کر وہ مجھے لے کر ایک نسبتاً بڑے جھونپڑے کے سامنے پہنچ گئے۔ وہاں ہر طرف جھونپڑیاں ہی جھونپڑیاں تھیں۔ اس جھونپڑے کے باہر ایک دربان کھڑا تھا۔ اس نے میرے بارے میں اندر اطلاع کی تو ایک ہٹا کٹا جنگلی باہر نکل آیا۔ وہ اپنے چہرے سے بہت خوفناک لگ رہا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

”مجھے سورج دیوتا نے بھیجا ہے۔ اور میں دیوتا کا اوتار ہوں۔“ میں نے اپنے سے انداز میں بولتے ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ اشاروں کی زبان میں کہا۔

پہلے تو مجھے عجیب سے نظروں سے دیکھتا رہا پھر اچانک اسے پتہ نہیں کیا سو جھی کہ اس نے چیخ کر کچھ کہا اور ایک دم میرے سامنے کھڑے

جنگلی نے اپنا بھالا بہت تیزی سے میرے سینے میں اتارنے کی کوشش کی۔ یہ سب کچھ بہت تیزی سے ہوا تاہم عین آخری وقت میں نے ارتکا زتوجہ سے اس کا بھالا روک لیا۔ چند لمحوں کی دیر مجھے ہمیشہ کے لیے سلا سکتی تھی۔ یہ سوچتے ہی مجھے پسینہ آنے لگا۔ بہر حال اب جنگ کی ابتداء ہو چکی تھی تو ان کو اوتار بن کر بھی دکھانا تھا۔ لہذا میں نے اپنی ارتکا ز کی قوت سے ان کا خوب بھر کس نکالا۔ سردار حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا کہ میں بغیر ہاتھ ہلائے چھ آدمیوں سے لڑ رہا تھا۔ چند لمحوں میں وہ چھ کے چھ لمبے لیٹے ہوئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر اس نے جنگلی نے کسی کو چیخ کر آواز دی۔ میں مکمل طور پر تیار تھا۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ میرا گلہ قدم کیا ہونا چاہیے کہ میں نے دیکھا کہ ایک طرف سے ایک عجیب سا جنگلی آدمی جس کے سر کے سارے بال سرخ رنگ میں رنگے ہوئے تھے ہاتھ میں لائھی

لیے آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا۔ ہٹ کنا جنگلی اسے دیکھ کر احترام سے ایک طرف ہو گیا۔ اس نئے جنگلی نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر اسی طرح کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ جواب میں نے بھی وہ سورج کے اوتا روالی بات دہرا دی۔ سورج کی طرف اشارے سے وہ بھی چونک پڑا۔ پھر وہ میرے سے چند قدموں کے فاصلے پر آ کر رک گیا۔ ابھی میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک دن اس نے اپنی لائٹ کو ایک خاص انداز میں حرکت دی اور دوسرے ہی لمحے آسمان سے ایک تیز شعلہ تیزی سے میرے پر لپکا اور آن واحد میں میرا سارا جسم آگ میں نہا گیا۔ بہت ہی تیز آگ میرے سارے جسم کو جھلسائے جا رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اپنی ارتکا ز توجہ سے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کی مگر یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے کہ اس آگ پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔

am.org

(قسط نمبر ۵)

سولوسن



(اسلم رضا)

www.urdurasala.com

میرا جسم آگ میں جلس رہا تھا اور میری ارتکا ز توجہ کی قوت اسے
 بجھانے میں ناکام رہی تھی۔ لیکن میرے لیے یہ سچو نیشن کوئی نئی نہیں
 تھی۔ میں نے جلدی سے آیت کریمہ کی تلاوت شروع کی اور ایک
 جھٹکے سے میرے ارد گرد موجود آگ بجھ گئی۔ آگ بجھتی ہوئی دیکھتے ہی
 سرخ بالوں والے جنگلی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی۔ جبکہ ہٹا کٹا
 سردار بھی حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے پھر سورج کی طرف
 دیکھ کر ان کو اشارہ کیا کہ مجھے اس نے بھیجا ہے۔ اس بار شاید سرخ
 بالوں والے کی سمجھ میں کچھ آ گیا۔ اس نے پھر اپنی زبان میں کچھ کہا
 جو بالکل میری سمجھ میں نہیں آیا۔ بڑی عجیب سی سچو نیشن تھی۔ وہ میری
 بات شاید سمجھ نہیں پا رہے تھے اور میں ان کی۔ پھر میں نے دیکھا کہ
 سرخ بالوں والے نے سردار کو کچھ کہا۔ سردار نے مجھے ایک جھونپڑی
 کی طرف اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے وہاں جانے کا کہہ رہا

ہے۔ میں اسی چھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ سردار نے دروازہ کھول کر مجھے بڑے احترام سے اندر جانے کو کہا۔ میں چھونپڑی میں چلا گیا۔ چھونپڑی اندر سے بہت کشادہ اور خوبصورتی سے سجائی گئی تھی۔ یقیناً یہ کوئی گیسٹ ہاؤس ٹائپ کی کوئی چیز تھی۔ میں وہی ایک کرسی نما موڑھے پر بیٹھ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک دو جنگلی عورتیں جو شکل و صورت سے کچھ خوبصورت لگ رہی تھیں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ پہلے تو میرے سامنے کھڑی رہیں مگر پھر بے تکلفی سے آگے بڑھ کر میرے کپڑے اتارنے کی کوشش کرنے لگیں۔ میں سمجھ گیا کہ سردار نے شاید ان کو میری ”خدمت“ کرنے کے لیے بھیجا ہوگا۔ میں نے نرمی سے انہیں اپنے سے دور کیا مگر وہ حد سے گزرتی جا رہی تھیں۔ ایک نے تو جلدی سے اپنے جسم پر موجود مختصر سے کپڑے اتار دیے۔ اس خطرناک چمپنیشن کو دیکھ کر میرے

پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ زبردستی انہیں باہر جانے کا کہتا۔ میں نے
ارتکا زتوجہ سے انہیں دروازے کی طرف دھکیل دیا اور غصے سے
دروازے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ میری طاقت کا تماشا دیکھ کر وہ
گبھرا گئیں اور پھر جلدی سے باہر چلی گئیں۔ میں نے اس مصیبت
کے ٹلنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

تقریباً ایک گھنٹہ اسی طرح انتظار کرنے کے بعد مجھے ایک جنگلی نے دروازے سے جھانک کر باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کافی لوگ اکٹھے ہوئے ہوئے تھے۔ سب سے نمایاں ایک بہت بوڑھا جنگلی تھا جس نے اپنے گلے میں ہڈیوں کی مالا پہنی ہوئی تھی اس کے ایک ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی جس کے اوپری سرے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کے دائیں طرف سرخ بالوں والا جنگلی مودبانہ انداز میں کھڑا تھا۔ میں نے باقی لوگوں پر نظر ڈالی تو مجھے سردار بھی نظر آ

گیا۔ اور پھر ایک طرف مجھے ایک ایشائی شخص بھی نظر آیا۔ اس نے کافی پرانی اور پھٹی ہوئی پینٹ شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ مجھے شکل سے وہ چینی باشندہ لگا۔ اس بوڑھے جنگلی نے اس چینی باشندے کی طرف دیکھ کر اونچی آواز میں کچھ کہا۔ پھر چینی باشندے نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں اور یہاں کیا کرنے آیا ہوں۔

مجھے خوشی ہوئی کہ ان کے ساتھ بات کرنے کا کوئی تو طریقہ ملا۔ میں نے بھی انگریزی میں اسے بتایا کہ میں سورج دیوتا کا اوتار ہوں اور مجھے سورج دیوتا نے اس خطے میں مذہب کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہے۔ میری بات سن کر چینی حیرت سے مجھے دیکھنے لگا جیسے میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔ مگر اس نے ترجمہ کرتے ہوئے میری بات ان جنگلیوں تک پہنچا دی۔ جیسے ہی انہیں اس بات کا علم ہوا ایک دم

سے تمام موجود جنگلیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ کچھ مجھے احترام سے دیکھنے لگے اور کچھ شک سے۔ بوڑھے جنگلی نے چینی سے کچھ کہا اور پھر اس چینی نے ترجمہ کرتے ہوئے مجھ سے اس بات کا ثبوت مانگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کو کیا ثبوت فراہم کروں۔ پھر کچھ سوچ کر میں اس چینی کو کہا کہ وہ ان لوگوں سے پوچھے کہ وہ کیا ثبوت مانگتے ہیں۔ چینی نے میری بات ان تک پہنچا دی۔ یہ بات سن کر بوڑھا جنگلی اور سرخ بالوں والا آپس میں کھسرپہر کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بوڑھے جنگلی نے اس چینی سے کچھ کہا جس کا ترجمہ اس نے ان الفاظ میں کیا۔

”ہمارے ہاں یہ روایت ہے کہ ایک سورج دیوتا کا اوتار آنے والا ہے مگر اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ جب چاہے گا سورج کی روشنی مدہم کر دے گا کیونکہ سورج دیوتا اس کی خواہش کا احترام کرتے ہیں۔ یہی

اس اوتار کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ اگر تم یہ نشانی دکھا سکتے ہو تو ہم تمہیں سورج دیوتا کا اوتار مان لیتے ہیں۔“

اس عجیب سی فرمائش نے مجھے مشکل میں ڈال دیا۔ میری روحانی قوت اس قدر نہیں تھی کہ میں سورج کی روشنی مدھم کر سکتا۔ اور اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دیتا تو یقیناً وہ مجھے اپنا اوتار نہ سمجھتے جس سے میرا ان کے پاس قیام بہت مشکل ہو جاتا۔ مجھے یقیناً کسی مصلحت سے کام لینا تھا۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بوڑھے جنگلی نے اسی چینی باشندے کے توسط سے پھر کہا کہ اگر میں یہ نہیں کر سکتا تو پھر مجھے اپنا بیان واپس لے لینا چاہیے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ ایسا صرف اصل اوتار ہی کر سکے گا جو میں نہیں ہوں۔ بات بگڑتے دیکھ کر میں نے فوراً ایک فیصلہ کیا اور ان کو کہا کہ میں تیار ہوں مگر سورج دیوتا کی مرضی ہے کہ میں یہ کرتب دو دن کے بعد دکھاؤں۔

میرا مقصد کچھ وقت لینا تھا مگر میری بات سن کر بوڑھا جنگلی اور سرخ بالوں والا، دونوں چونک پڑے۔ پھر انہوں نے کچھ کہا جس کا ترجمہ اس چینی نے یوں کیا۔

”بے شک، دو دن کے بعد سورج دیوتا کی عبادت کا دن ہے۔ تم شاید دیوتا کے اوتار ہی ہو جو تم نے اس مبارک دن کا انتخاب کیا مگر پھر بھی اپنے دل کی تسلی کے لیے ہم اس نشانی کو ضرور دیکھیں گے اور تب تک تم ہمارے پاس مہمان کی حیثیت سے رہو گے۔ تمہیں جو چاہیں تم مانگ سکتے ہو۔“

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں نے وقت لینے کے لیے جو چال چلی تھی وہ اتفاقاً ان کے عبادت والا دن ثابت ہوئی۔ بہر حال اتنی بات کر کے وہ لوگ منتشر ہونے لگے اور پھر میں بھی اپنے اسے گیسٹ ہاؤس نما چھوٹی پڑے میں آ گیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ وہ چینی اندر

داخل ہوا۔

”مجھے سردار نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں انہیں بتا سکوں۔“ اس چینی نے اسی طرح ٹوٹی پھوٹی انگلش میں کہا مگر اس کا لہجہ مودبانہ تھا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ تم باہر بیٹھو۔ مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو میں بلا لوں گا۔“ میں نے اس کو جواب دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ہر وقت میرے سر پر سوار رہے۔

اس کے باہر جاتے ہی میں زمین پر بیٹھ گیا اور پھر میں نے اپنی روحانی پرواز سے پوری بستی کا ایک چکر لگایا۔ سردار اپنی جھونپڑی میں چلا گیا جبکہ وہ بوڑھا جنگلی اور سرخ بالوں والا بھی ایک طرف جارہے تھے اور آپس میں باتیں بھی کرتے جارہے تھے۔ مجھے ان کی زبان سے ناواقفیت کا بڑا افسوس ہوا ورنہ میں ان کی باتوں سے کافی معلومات

حاصل کر سکتا تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ اس چینی کے ذریعے ان جنگلیوں کی زبان سیکھنے کے کوشش کی جائے۔ یہ سوچ کر میں نے اپنی روحانی پرواز ختم کر کے آنکھیں کھول دیں۔ پھر اٹھ کر باہر سے اسی چینی کو بلا یا۔ وہ جھونپڑی کے باہر ہی موجود تھا۔

جب میں نے اس سے ان جنگلیوں کی زبان سکھانے کا کہا تو وہ فوراً ہی رضامند ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے زبان سکھانے کی کوشش شروع کر دی۔ میرے لیے وہ سب کچھ اجنبی تھا اس لیے ایک گھنٹے تک مختلف الفاظ ذہن نشین کرتے کرتے میرے سر میں درد شروع ہو گیا۔ پھر میں نے اسے باہر جانے کا کہا اور آرام کرنے ایک بستر پر لیٹ گیا جو اسی جھونپڑے میں لگا ہوا تھا۔

اس دن شام کو میں نے آیان کو بلانے کا ارادہ کیا۔ میں اس سے مشورہ

کرنا چاہتا تھا کہ سورج کی روشنی کو مدہم کرنے کا کونسا علم ہو سکتا ہے۔ میں نے سورہ جن پڑھ کر اسے آواز دی۔ تیسری آواز پر وہ میرے سامنے تھا۔

”جی آقا!۔۔۔“ آیان نے مودبانہ انداز میں کہا۔
 ”آیان!۔۔۔ مجھے تم سے ایک مشورہ کرنا ہے۔“ میں نے فوراً ہی کہا۔

”حکم کریں سرکار۔“ آیان نے کہا۔
 ”مجھے یہ جاننا ہے کہ کس عمل سے سورج کی روشنی کو مدہم کیا جاسکتا ہے؟“ میں نے پوچھا۔ اور میرے سوال پر وہ چونک پڑا۔
 ”آقا!۔۔۔ سورج کی روشنی تو مدہم نہیں ہوتی ہاں البتہ سورج کو گرہن لگ سکتا ہے۔“ آیان نے کچھ الجھے ہوئے انداز میں کہا اور میں چونک پڑا۔ یہ تو بالکل سامنے کی بات تھی کہ سورج کو اگر گرہن لگ

جائے تو ایسا ہی لگے گا جیسے روشنی کم ہو گئی۔ مگر گرہن لگے گا کیسے۔
 ”کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ سورج کو گرہن کب لگے گا“ میں نے کچھ
 سوچتے ہوئے کہا۔

”آقا!۔۔۔ کم از کم اس سال تو کوئی چانس نہیں ہے۔“ آیان نے
 کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”میرے اندازے کے مطابق تین سال کے
 بعد فروری کے مہینے میں کسی دن سورج گرہن لگنے کا چانس ہے۔
 ”کیا تم کسی طرح سورج گرہن لگا سکتے ہو؟ میرا مطلب ہے عارضی
 طور پر؟“ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔
 ”نہیں آقا!۔۔۔ یہ میری قوت میں نہیں ہے۔“ آیان نے صاف
 لہجے میں کہا۔

”اچھا کوئی اور طریقہ بتاؤ جس سے سورج کی روشنی کسی طرح مدہم کی
 جاسکے؟“ میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

”آقا!۔۔ بات کیا ہے۔ آپ سورج کو گرہن کیوں لگانا چاہتے ہیں؟“ آیان نے سوال کیا۔ جواب میں میں نے ساری کہانی سنا دی۔

”یہ تو ہو سکتا ہے۔ اگر مقصد صرف اس بستی تک ہی ہے تو میں اس کا بندوبست کر سکتا ہوں۔“ آیان نے جلدی سے کہا۔
”وہ کیسے؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”آقا!۔۔ اگر میں کچھ اوپر آسمان پر جا کر سورج اور اس بستی کے درمیان میں کوئی بڑی سے شے رکھ دوں تو یقیناً سورج کی روشنی اس بستی تک نہیں پہنچ سکے گی یا پھر کم پہنچے گی۔ اس سے ان کو لگے گا جیسے سورج مدہم ہو گیا ہے۔ آپ جب چاہیں گے میں اسے ہٹالوں گا تو روشنی پھر ویسی کی ویسی ہو جائے گی۔“ آیان نے اپنا منصوبہ بتاتے ہوئے کہا۔

”مگر تم کوئی شے لے کر آسمان پر جاو گے اور کیا وہ حجم میں بہت بڑی ہوگی؟“ میں نے اگلہ سوال کیا۔

”نہیں آقا!۔۔۔ جتنا میں آسمان میں اوپر جا سکوں گا اتنی چھوٹی چیز سے کام بن جائے گا۔ آپ یہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ بس آپ مجھے اس وقت بلا لیجئے گا جب وہ آپ سے یہ شعبہ دیکھنے کی ضد کریں۔“ آیان نے مجھے مطمئن کرنے والے انداز میں کہا۔

”اچھا چلو ٹھیک ہے۔“ میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ یہ ایک بڑا بوجھ تھا جو میرے کندھوں سے اتر گیا تھا۔ مجھے آیان کی صلاحیت پر پورا اعتبار تھا۔

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد آیان رخصت ہو گیا۔ میں نے پھر چینی باشندے کو بلا کر اس سے جنگلی زبان کا اگلا سبق دینے کو کہا۔ کچھ دیر اس جنگلی زبان کا سبق پڑھنے کے بعد میں نے تجسس کے ہاتھوں مجبور

ہو کر اس سے اس کی یہاں موجودگی کا سبب پوچھا۔ جواب میں اس نے بتایا کہ اس کا نام چانگ چن ہے اور وہ یہاں شکار کھیلنے آیا تھا کہ ان جنگلیوں نے اس کو قید کر لیا۔ چونکہ وہ اکیلا ہی آیا تھا اس لیے اس کی مدد کو بھی کوئی پیچھے نہیں آیا۔ مجھے اس کی کہانی کچھ عجیب سے لگی۔ وہ اکیلا شکار پر کیوں آیا تھا۔ اسے اپنے ساتھ کوئی گائیڈ یا پھر کوئی ملازم وغیرہ کو رکھنا چاہیے تھا۔ بہر حال میں نے اس سے مزید باز پرس نہیں کی۔

شام کا کھانا بڑا پر تکلف تھا۔ آدھا پہاڑی بکرا بھنا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ کافی سارے پھل بھی۔ میں نے حسب ضرورت کھا کر باقی انہیں واپس بھجوا دیا۔ رات کو سونے سے پہلے میں نے پھر ایک بار چانگ چن کو بلا کر ایک اور سبق لیا۔ وہ زبان اب کچھ کچھ میری سمجھ میں آرہی تھی مگر ابھی بہت کچھ ایسا تھا جو مجھے مزید ذہن نشین کرنا تھا۔

اگلے دو دن بھی اسی طرح کی مصروفیت میں گزر گئے۔ اس دوران میرا قابل ذکر کارنامہ یہ ہی تھا کہ میں ان جنگیوں کی زبان سے اتنا واقف ہو گیا تھا کہ ان کی کچھ باتیں میری سمجھ میں آنے لگی تھیں اور میں خود بھی چند الفاظ بول لیتا تھا۔ سورج دیوتا کی عبادت والے دن میں نے آیان کو بلایا۔ وہ نا صرف آگیا بلکہ اس نے مجھے تسلی بھی دی کہ وہ اپنے اس خیال کا تجربہ ایک جگہ کر کے آیا ہے۔ اس لیے مجھے فکر نہیں کرنے چاہیے۔ پھر کافی دن چڑھے ایک جنگلی مجھے بلانے آیا۔

میں جب باہر نکلا تو دیکھا کہ سارا قبیلہ وہاں موجود تھا۔ وہ سارے کے سارے مجھے حیرت بھری نظروں دیکھ رہے تھے۔ پھر اسی بوڑھے جنگلی نے اس چینی کے توسط سے مجھے بتایا کہ پہلے سورج دیوتا کی عبادت کی جائے گی اور اس کے بعد وہ مجھے اپنی نشانی دکھانے کو کہیں گے۔ میں نے بھلا کیا اعتراض کرنا تھا۔ مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ عبادت کیسے

کرتے ہیں۔ اور جب انہوں نے عبادت شروع کی تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

ان کی عبادت دراصل قربانی کی ایک رسم تھی۔ انہوں نے ایک عورت کو ایک عجیب سے چبوترے پر باندھ دیا اور پھر اس کے گرد رقص کرنے لگے۔ چند منٹوں کے رقص کے بعد انہوں نے بڑے ہی بے رحمانہ طریقے سے نیزے مار مار کر اس ابولہان کر دیا۔ وہ عورت بڑی بے چارگی سے چلا رہی تھی۔ پھر چند جنگلیوں نے اس عورت کا خون ایک پیالے میں بھر کر بڑے پجاری کے سامنے رکھ دیا۔ اس پجاری نے خون کو سورج کی طرف بلند کر کے کچھ عجیب سے کلمات پڑھے اور پھر بہت تیزی سے اس خون کو سورج کی جانب اچھال دیا۔ خون کچھ دیر ہوا میں رہنے کے بعد زمین پر گر گیا اور نرم مٹی میں جذب ہونے لگا۔ پھر اس پجاری نے ایک بڑی سی چادر اس گرے ہوئے خون پر

ڈال کر اس ڈھک دیا اور اسی کے پاس بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا۔
 میں حیرت زدہ اس کو دیکھ ہی رہا تھا کہ مجھے اس خون والی جگہ پر کچھ
 عجیب سے حرکت محسوس ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی چیز اس
 چادر کے نیچے حرکت کر رہی ہو۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر کے اپنی
 روحانی آنکھوں سے دیکھا تو وہ کچھ عجیب سی چھوٹی چھوٹی مگر بہت ہی
 بدنما مخلوق تھی۔ اور وہ مخلوق بہت تیزی سے مٹی پر گرا خون چاٹ رہی
 تھی۔ چند ہی لمحوں میں اس نے خون کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ اور پھر
 وہ ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ اتنے میں پجاری نے چلا کر کچھ کہا اور سارے
 جنگلی خوشی سے چہہانے لگے۔ پھر اس پجاری نے وہ چادر زمین سے
 اٹھا دی۔ وہ جگہ جہاں خون گرا تھا وہاں اب کوئی ایک چھوٹا سا دھبا
 بھی نہیں تھا۔ اسے دیکھتے ہی جنگلیوں نے اونچی آواز میں چلانا شروع
 کر دیا۔ اور پجاری بہت مطمئن انداز میں چلتا ہوا ایک طرف کھڑے

سردار کے پاس کھڑا ہو گیا۔

پھر سردار نے چانگ چن سے کچھ کہا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب میری باری ہے۔ چانگ چن نے مجھے اس کا ترجمہ کر کے یہی بات بتائی کہ اب مجھے اپنی اوتار والی نشانی دکھانے کو کہا جا رہا ہے۔ میں چند قدم آگے بڑھ کر سب کے درمیان آ گیا تا کہ وہ لوگ مجھے دیکھ سکیں اور پھر ایسے ہی چند عجیب و غریب کلمات پڑھ کر میں نے اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر لیے جیسے میں کوئی غیر مرئی چیز ہلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پھر میں نے آیان جو میرے ساتھ ہی کھڑا تھا اسے اپنا کام شروع کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے ہوا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ میں اپنا ڈرامہ جاری رکھے ہوئے تھا اور اس بات منتظر تھا کہ کب آیان سورج کو گرہن لگائے تو میں ڈرامے کا اگلہ سین شروع کروں۔ مگر کافی انتظار کے بعد بھی جب روشنی میں کمی نہ ہوئی تو مجھے حیرت ہوئی۔

اسے تو اپنا کام چند لمحوں میں کر دینا چاہیے تھا۔ پھر اتنی دیر۔ پریشانی میں میں نے آنکھیں بند کر کرے اپنی روحانی آنکھ سے آسمان کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہی عجیب سے مخلوق جو میں نے خون چاٹتے دیکھی تھی آسمان پر لاتعداد بکھری پڑی تھی اور انہوں نے آیان کو مکمل طور پر جکڑا ہوا تھا۔ وہ بے چارہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پارہا تھا۔ میں حیرت زدہ اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ مجھے زمین پر کچھ ہل چل محسوس ہوئی۔ میں نے اپنی روحانی آنکھ سے دیکھا کہ کچھ نیز ابردار میرے گرد آکھٹے ہو چکے تھے اور ان کے تیور کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ یہ سچویشن بڑی عجیب سی ہو گئی تھی۔ یقیناً انہیں اس تاخیر کی وجہ سے مجھ پر شک ہو گیا تھا۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا لہذا پہلے میں نے آیان کی مدد کا فیصلہ کیا۔ فوری طور پر اس سے چپٹی ہوئی مخلوق کو اپنی ارتکاز توجہ سے پرے دھکیل دیا ان کی گرفت سے آزادی ملتے ہی

آیان گولی کی سی رفتار سے آسمان کی طرف اڑ گیا۔ اسے تاخیر کا اندازہ تھا۔ پھر میں نے زمین پر اپنے گرد کھڑے نیزہ برداروں میں سے ایک کے ہاتھ سے نیزہ اس کے اپنی ہی پاؤں پر مار دیا۔ وہ تکلیف سے چیخنے لگا اور باقی سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عین اسی وقت سورج کی روشنی مدہم ہونے لگی۔ اور میں نے اپنی روحانی پرواز ختم کر کے اپنے ڈرامے کا اگلہ سین شروع کر دیا۔ میں نے اونچی آواز میں انہی جنگلیوں کی زبان میں کہا۔

”اے لوگوں!۔۔۔ میرے اوتار کو تسلیم کرو اور جو یہ کہے ویسا ہی کرو۔“ میں نے جان بوجھ کر اپنی آواز کو بدلا ہوا تھا اور اسے حتی الامکان گونج دار بنایا ہوا تھا۔

اس کرشمے کو دیکھتے ہی سارے کے سارے جنگلی سجدے کی حالت میں گر گئے۔ میں نے پجاری کی طرف دیکھا تو وہ بہت ہی تعجب سے

مجھے دیکھ رہا تھا اور پھر اپنی ساتھ کھڑے سردار کو سجدے میں گرتے
دیکھ کر وہ بھی سجدے میں گر گیا۔ شاید اس کے پاس مجھے تسلیم کرنے
کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

پھر چند لمحوں کے بعد میں نے آہستہ آہستہ اپنے پھلائے ہوئے بازو
سمیٹ لیے۔ میرا اشارہ سمجھتے ہوئے آیان نے اس عارضی سے گریہ
کو ختم کر دیا اور روشنی پھر اپنی نارمل سطح پر آ گئی۔

جنگلی سجدے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے گرد رقص کرنے لگے۔
سردار کے چہرے پر بھی عقیدت کے آثار تھے جبکہ پجاری مجھے مشکوک
نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

کافی دیر تک ایک طوفان بدتمیزی مچا رہا اور پھر آہستہ آہستہ جنگلی اپنے
اپنے گھروں کی طرف چل دیے۔ سردار مجھے ساتھ لے کر اپنے
چھوٹیڑے کی طرف چل پڑا۔ بوڑھا پجاری بھی ساتھ ساتھ تھا۔ ہمارا

مترجم چانگ چن بھی ساتھ ہی تھا۔ سردار کا چھوٹیڑا اندر سے بہت صاف ستھرا اور کافی بھرا بھرا سا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے پرانے بادشاہوں کا زمانہ یاد آنے لگا جو کبھی کبھی ہم ٹیلی ویژن پر پرانی فلموں میں دیکھا کرتے تھے۔ ایک بڑا سا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر شیر کی کھال سکھا کر ڈالی ہوئی تھی۔ ارد گرد دو ملازمین پنکھا جھل رہی تھیں۔ سامنے بیٹھنے کے لیے سٹول نما کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سردار نے مجھے عزت دیتے ہوئے اپنے ساتھ چبوترے پر بیٹھا لیا جبکہ بوڑھا پجاری سامنے پڑے ایک سٹول پر بیٹھ گیا۔

”سورج کے اوتار کا ہمارے لیے پہلا حکم کیا ہے؟“ سردار نے احترام سے پوچھا جس کا ترجمہ مجھے چانگ چن نے کر کے سنایا۔

”سورج دیوتا کو تمہاری عبادت بالکل پسند نہیں ہے خاص طور پر عورتوں کی قربانی دینا۔“ میں نے وہ بات کر دی جو کافی دیر سے

میرے ذہن میں پھنسی ہوئی تھی۔ چانگ چن نے جب اس کا ترجمہ کیا تو پجاری بہت مضطرب نظر آنے لگا۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ جو حکم آپکا۔۔۔ اگلی عبادت پر آپ کے حکم کے مطابق عبادت کی جائے گی۔“ سردار نے اسی طرح احترام بھرے لہجے میں کہا۔

”ابھی مجھے آرام کرنا ہے۔“ میں نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔ میرے بات کا ترجمہ ہوتے ہی بوڑھے پجاری نے جلدی سے کہا۔ ”سورج دیوتا اپنا اوتار صرف خاص موقعوں پر ہی بھیجا کرتے ہیں۔ کیا آپ ہمیں بتانا پسند کریں گے کہ آپ کو کس خاص کام کے لیے بھیجا گیا ہے۔“ پجاری کے چہرے پر شک نمایاں تھا۔ چانگ چن نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا مگر اس نے بغیر کوئی تاثر لئے اس کی بات کا ترجمہ کر دیا۔

”ہاں!۔۔۔ یہ حقیقت ہے مگر اس بات کا پتہ وقت آنے پر ہی چلے گے۔ سورج دیوتا اپنی باتیں عام لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے۔“ میں اس بار پھر اپنا پہلو بچاتے ہوئے کہا۔ جب چانگ چن نے اس کا ترجمہ کر کے پجاری کو بتایا تو صاف لگ رہا تھا کہ وہ قطعی طور پر مطمئن نہیں ہوا تھا۔

میں نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہاں سے اٹھنے کا قصد کیا۔ میرے اٹھتے ہی سردار بھی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر وہ اور پجاری مجھے باہر دروازے تک چھوڑنے آئے۔ پھر سردار نے مجھے ایک جنگلی کے ہمراہ ایک اور جھونپڑے کی طرف بھیج دیا۔ یہ جھونپڑا پہلے والے سے کافی کشادہ تھا اور یہاں رکھا ہوا سامان بھی سردار کے جھونپڑے کے مقابلے کا تھا۔ چانگ چن بھی میرے ساتھ ہی تھا۔ مجھے کافی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی مگر یہاں کی زبان سیکھنا بہت ضروری تھا۔ اس لئے

میں نے ہمت کر کے چانگ چن سے مزید سبق لیا اور پھر اسے جانے کا کہہ کر آرام کرنے لیٹ گیا۔ ادھر ادھر کی سوچے سوچتے ہوئے مجھے نیند آ گئی۔

یہ شاید رات کا کچھلا پہر تھا جب اچانک مجھے اپنی سانس رکتی سے محسوس ہوئی۔ میں نے گہرا کراکھ کھولی تو اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا۔ مگر میرے لیے سانس لینا ممکن نہ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے میرے ناک اور منہ کے آگے نہ نظر آنے والی کوئی چیز باندھ دی ہو جو سانس کے راستے میں روکاؤ بن رہی تھی۔ میں ابھی اس سچویشن کو سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ اچانک یہ سانس بندی ختم ہو گئی اور میں نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا مگر اس سانس کے ساتھ ہی ایک انتہائی ناگوار بو بھی ناک کے راستے اندر چلی گئی اور پھر میرے ذہن پر غنودگی چھا گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں اپنے کنٹرول میں نہیں ہوں

اور میرے ارد گرد کا ماحول بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی تیز رفتار سے فلم کو فارورڈ کرتا ہے۔ پھر مجھے کچھ دیر کے لیے بالکل ہوش نہ رہا۔

ہوش آیا تو ایک ایسی جگہ پر کہ میں نہ زمین پر تھا اور نہ آسمان پر۔ ایک درخت کے ساتھ مضبوط سارسہ بندھا ہوا تھا جس کو میری کمر کے ساتھ لپیٹا گیا تھا اور اسی رے سے شاید میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھا۔ میں اسی طرح جھول رہا تھا جیسے پھانسی پر چڑھنے والا کوئی مجرم جھولتا ہے بس فرق اتنا تھا کہ میرے گردن کی بجائے رے میری کمر پر بندھا ہوا تھا۔ پھر میں نے اپنی اطراف پر غور کیا تو دیکھا کہ میرے ارد گرد سفید سا دھواں پھیلا ہوا تھا۔ نیچے مجھے زمین اس دھوئیں کی وجہ سے نظر نہیں آرہی تھی مگر یہ دھواں نیچے سے ہی کہیں سے آرہا تھا۔

کچھ دیر مجھے مکمل طور پر ہوش میں آنے میں لگی اور پھر میں نے محسوس کیا کہ کوئی اونچی آواز سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ اور پھر اچانک مجھے اپنے دماغ میں ایک آواز سنائی دی۔

”تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔“ ایک بوڑھی مگر مضبوط آواز نے پوچھا۔ میں نے فوراً ہی بوڑھے پجاری کی آواز کو پہچان لیا۔

”میں سورج دیوتا کا اوتار ہوں۔ تم نے مجھ پر حملہ کر کے اچھا نہیں کیا۔“ میں نے اونچی آواز میں کہا مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ پجاری آواز نہیں بلکہ خیالات سے بات کر رہا تھا۔ شاید اس کو بھی ٹیلی پیتھی کا علم آتا تھا جس کا ایک مظاہرہ میں جاڑوں کی بستی میں دیکھ چکا تھا۔

”تم جھوٹ بولتے ہو۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہاں کوئی سورج دیوتا نہیں ہے۔ یہ کہانی تو ہم لوگوں نے سادہ لوح جنگلیوں کو بے وقوف

بنانے کے لیے گھڑی ہوئی ہے۔“ پجاری نے طنزیہ انداز میں کہا۔
 ”تمہارے لیے بہتر ہے کہ مجھے صاف صاف بتا دو کہ تم کون ہو ورنہ
 ایک تکلیف دہ موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ آخر میں اس کے لہجے
 میں سختی آگئی تھی۔

مجھے اس کا یہ سخت انداز بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ چونکہ اب کی بار پجاری
 نے براہ راست حملہ کیا تھا اس لیے میرے لیے بھی براہ راست جواب
 دینا آسان ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے اسے سبق سیکھانے کا فیصلہ کر
 لیا۔ پھر میں نے آنکھیں بند کر کے روحانی آنکھوں سے اسے دیکھنے
 کی کوشش کی مگر میں حیران رہ گیا کہ میری روحانی آنکھوں کے سامنے
 اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اور میری روح پرواز نہ کر پا رہی تھی۔ یہ میرے
 لیے حیرانی کا باعث تھا۔ جسمانی آنکھوں سے تو مجھے دھواں نظر آرہا
 تھا مگر روحانی آنکھیں مکمل اندھیرا ہی دکھا رہی تھیں۔ اچانک مجھے

احساس ہوا کہ یہ دھواں کوئی خاص دھواں ہے جس نے میرے روحانی حواس کو معطل کر دیا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی مجھے پریشانی نے آگھیرا۔ یہ پجاری بھی کوئی توپ چیز ثابت ہو رہا تھا۔

”میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ مجھے صاف صاف اپنے بارے میں بتا دو ورنہ اب میں اپنا عمل شروع کر دوں گا جس سے تم انتہائی تکلیف کا شکار ہو جاؤ گے اور پھر وہی تکلیف تمہاری جان لے لے گی۔“ پجاری نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

میں نے بھی اپنا آخری ہتھیار آزمانے کا فیصلہ کیا اور آیت کریمہ بلند آواز میں پڑھنے کے کوشش کی مگر۔۔۔ یہ کیا!۔ مجھے آیت کریمہ بھول گئی تھی۔ یہ میرے لیے ناقابل یقین بات تھی مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی اسی طرح جس طرح یہ کہ میں اس وقت بندھا ہوا تھا۔

باوجود انتہائی کوشش کے مجھے آیت کریمہ کے الفاظ یاد نہیں آرہے

تھے۔ آیت کریمہ ہی کیا مجھے کوئی بھی قرآنی آیت یاد نہیں آرہی تھی
 حالانکہ میں بہت ساری سورتیں حفظ کی ہوئی تھیں۔ اب میرے
 ہاتھوں کے طوطے اڑ چکے تھے۔ بغیر روحانی طاقتوں کے میرے پاس
 صرف آیات قرآنی ہی ایک ہتھیار تھا جو کسی وجہ سے ناقابل استعمال
 ہو گیا تھا۔ ان سب کے بغیر میں بے بس اور لاچار ایک عام انسان
 کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اسی سوچ نے میرے دماغ میں اندھیرے
 پھیلائے شروع کر دیے۔ مگر اچانک مجھے عظیم سوالہ کی وہ بات یاد آگئی
 جس میں انہوں نے کہا تھا کہ انسان کی اصل طاقت تو حوصلہ ہوتا
 ہے۔ اگر انسان حوصلے سے کام لے تو خود خدا بھی اس کی مدد کرتا
 ہے۔ بس یہی سوچ کر میں نے ایک نئے ولولے اور جوش سے اپنے
 گرد حالات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اب چونکہ میری جسمانی آنکھیں
 دھوئیں کی عادی ہو چکی تھیں اس لیے مجھے کسی حد تک نظر آنے لگا تھا۔

میں دیکھ سکتا تھا کہ زمین پر عین میرے نیچے ایک آدمی کا ہیولہ سا تھا جو ایک آگ جلانے بیٹھا تھا۔ یقیناً یہ بوڑھا پجاری ہی تھا۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی۔ اب میں اپنا عمل شروع کرنے لگا ہوں۔“ اس بار پجاری کا لہجہ انتہائی سخت تھا اس نے میرے سارے بدن میں سرد سے لہر دوڑادی۔

”تم میرے بارے میں کیا جانتا چاہتے ہو؟“ میں نے مزید وقت لینے کے غرض سے پوچھا۔

”تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟“ بوڑھے پجاری نے اپنا سوال دہرایا۔

”میرا نام سلیمان ہے اور میں جادوئی علوم سیکھنے کی غرض سے افریقہ آیا ہوں۔“ میں نے صاف گوئی سے کام لیا مگر جان بوجھ کر تفصیل نہیں بتائی۔

”وہ کون تھا جس نے سورج کی روشنی کو مدہم کیا۔ اور میرے پیرے
اسے روک نہ سکے؟“ اس بار پجاری نے قدرے حیرت سے
پوچھا۔

”وہ ایک جن ہے جو میرا دوست بنا ہوا ہے اور وقتاً فوقتاً میرے کام
آتا رہتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار ثابت
کر کے مجھے یہاں کے پجاری اور دوسرے جادوگروں کا خاص کرب
حاصل ہو جائے گا اور اس طرح میں ان سے جادوئی علوم سیکھ سکوں
گا۔“ میں نے کچھ اور تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ جھوٹ بولنا میرے
لیے بہت مشکل کام تھا مگر میں حقائق کو کسی حد تک اپنے انداز میں
بیان کر رہا تھا تا کہ جھوٹ بھی نہ بولوں اور ساری تفصیلات بھی نہ ظاہر
کروں۔

”حیرت ہے۔۔ تم جادوئی علوم کیوں سیکھنا چاہتے ہو؟“ پجاری نے

اس بار پھر حیرت سے پوچھا۔

”بس میرا شوق ہے۔“ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا اس لیے میں نے گھسا پٹا سا ہی جواب دے دیا۔

”دیکھو!۔۔ تمہارے باتوں سے میرے دل میں تمہارے لیے ایک نرم گوشا پیدا ہوا ہے۔ اسے جھوٹ بول کر ضائع مت کرو۔ میں ابھی بھی تمہیں اپنا چیلہ بنا کر جادوئی علوم سیکھا سکتا ہوں مگر اس کے لیے تمہیں سچ بولنا ہوگا۔“ پجاری نے اس بار قدرے نرم لہجے میں کہا۔

میرے لیے سچویشن مشکل ہو گئی تھی۔ وہ میرے اندر تک جھانک رہا تھا اس لیے باوجود کوشش کے میں جھوٹ نہیں بول پا رہا تھا اور جو جھوٹ بولا تھا وہ اس نے فوراً پکڑ لیا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے اپنی اسی پالیسی کے تحت مصلحتاً حقائق کا ایک حصہ ظاہر کر دیا۔

”دراصل!۔۔ مجھے ایک انتہائی طاقتور جن سے اپنی ماں کی موت کا

بدلہ لینا ہے جس نے میری آنکھوں کے سامنے میری ماں کو زندہ جلا دیا۔“ یہ کہتے ہوئے نجانے کیوں میرے جسم میں گرمی کی ایک ہلکی سی دوڑ گئی۔

”ہاں!۔۔ اب تم نے سچ بولا ہے۔“ پجاری شاید میرے لہجے سے مرعوب ہو گیا تھا۔

”میرا نام ڈوسائی ہے اور میں اس قبیلے کا سب سے بڑا پجاری ہوں۔ میں نے اپنی عمر کے پچاس سال یہاں اس قبیلے کو دیئے ہیں۔ اب تم میرے چیلے ہو۔ تم اسی طرح اوتار بن کر یہاں پر رہو گے مگر اب وہ ہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ اگر تم میری باتوں پر عمل کرتے رہے تو میں تمہیں وہ علوم سکھا دوں گا جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔“ اس بوڑھے پجاری جس کا نام ڈوسائی تھا، نے ایک طرح سے حکم سنایا۔

اس وقت میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں رضامند ہو گیا۔ کچھ ہی دیر میں دھواں اٹھنا بند ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ نیچے درخت کی جڑ میں وہی بوڑھا پجاری الٹی پالٹی مار کر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے آگ جل رہی تھی۔ ایک طرف کپڑے کی تھیلی پڑی ہوئی تھی جس میں سے شاید کچھ نکال کر وہ آگ میں پھینک رہا تھا جو اس دھواں کو پیدا کرتا تھا۔

اس آگ کو بجھا کر اس نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور میرا سرہ اوپر سے ڈھیلہ ہونے لگا۔ میں آہستہ آہستہ زمین پر آنے لگا۔ جیسے ہی میرے پاؤں زمین پر پڑے اسی وقت میری کمر کے گرد سرہ خود بخود کھل کر اوپر اٹھنے لگا جیسے درخت کے اوپر سے کوئی اسے کھینچ رہا ہو۔ بوڑھے ڈوسائی نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ ہی دور اس پجاری کی جھونپڑی تھی۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ اندر آنے کا کہا اور اس میں داخل ہو گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا آیا۔ اس نے مجھے ایک موڑھے پر بیٹھنے کا کہا اور پھر دوسرے موڑھے پر خود بیٹھ گیا۔

”تم نے بہت چلا کی سے اپنی جگہ اس قبیلے میں بنائی ہے۔ اس بات نے مجھے خوش کیا مگر یہ کمال تمہیں میرا خاص چیلہ بنانے کے لیے کافی نہیں ہے کہ میں تمہیں اپنے علوم سیکھاؤں جو میں نے برسوں کے ریاضت سے حاصل کیے ہیں۔ تمہیں اس کے لیے کچھ اور بھی کرنا ہو گا۔“ بوڑھے ڈوسائی نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی زبان میں کہا۔ میں چونکہ کچھ کچھ اس زبان کو سمجھ سکتا تھا اس لیے اس کا مدعا کافی حد تک سمجھ گیا۔

”مجھے اور کیا کرنا ہو گا؟“ میں نے ٹوٹی پھوٹی جنگلی زبان میں پوچھا۔

”تمہیں میرے لیے ایک کام کرنا ہوگا مگر میں اس کے بارے میں تمہیں چند دنوں کے بعد ہی بتاؤں گا۔ تب تک تم سورج دیوتا کے اوتار بن کر عیش کرو۔ اور ہاں۔۔۔ جتنی جلدی ہو سکے ہمارے زبان پر عبور حاصل کرلو۔ اس کے بغیر تم کچھ نہیں بن سکو گے۔“ بوڑھے ڈوسائی نے ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا اور آخر میں مجھے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

میں خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ پھر کچھ دیر ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد میں نے اپنا جھونپڑا تلاش کر ہی لیا۔ وہاں دروازے پر دو پہر اداں اونگھ رہے تھے۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ چونک پڑے اور پھر حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ شاید مجھے ان کے سامنے سے نہیں لے جایا گیا تھا اور وہ حیرت زدہ تھے کہ میں باہر کیسے نکلا جو اب واپس آ رہا ہوں۔ میں ان کو حیرت زدہ چھوڑ کر اندر جھونپڑی میں چلا گیا۔

بستر پر گر کر میں ان حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔ بوڑھا ڈوسائی
میرے اندازے سے زیادہ طاقتور نکلا اور اس نے نجانے کیسے
میرے روحانی حواس پر قابو حاصل کر کے مجھے اس طرح بے بس و
لاچار اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیا۔ یقیناً وہ دھواں ہی اس کی اصل
طاقت تھا ورنہ وہ مجھے اور آیان کو مصنوعی سورج گرہن لگانے میں کبھی
کامیاب نہ ہونے دیتا۔ پھر اچانک مجھے اپنی روحانی قوتوں کی بندش
کا خیال آیا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر کے روحانی پرواز کی
اور یہ جان کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا کہ میری قوتیں بحال ہو
چکی تھیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر آیت کریمہ یاد کرنے کی کوشش کی
تو وہ بھی مجھے ایسے یاد آگئی جیسے کبھی بھولی ہی نہ تھی۔ یہ سب کچھ
میرے لیے بہت عجیب تھا۔ پتہ نہیں دنیا میں کیسے کیسے جادوئی علوم
بھرے پڑے تھے۔ بہر حال مجھے یہ سب سیکھنے تھے یا کم از کم اتنا جو

مجھے طالش سرکار کے مقابلے کی سکت دے سکے۔

یہی سب کچھ سوچتے سوچتے مجھے نیند آ گئی اور پھر صبح کو سورج چڑھے میری آنکھ کھلی۔ میری توضع پر تکلف ناشتہ سے کی گئی۔ اس کے بعد سردار نے مجھے اپنے ساتھ لے کر سارے قبیلے کا چکر لگایا۔ اسی طرح وقت گزرتا گیا۔ میں نے چانگ چن کی مدد سے اب بہت حد تک ان قبیلے والوں کی زبان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ تاہم اس دوران ڈوسائی سے کوئی ملاقات نہ ہو سکی۔ اور پھر ایک دن وہ میرے جھونپڑے میں داخل ہوا۔

”خوب عیش ہو رہے ہیں؟“ ڈوسائی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”ہاں“ میں نے بھی اکھڑ انداز میں کہا۔

”بہر حال!۔۔ میں یہ بتانے آیا تھا کہ کل پھر سورج دیوتا کی عبادت

کا دن ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے بتائے ہوئے طریقہ کار

میں کوئی تبدیلی مت کرو۔“ ڈوسائی نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔
 ”یعنی وہی عورت کو بے رحمانہ انداز میں قتل کرنے والا طریقہ؟“
 میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

”ہاں!۔۔۔ میرے پیروں کو خون کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی
 لیے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔“ ڈوسائی نے تیز لہجے میں ایک
 ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ”بس تم اپنی زبان بند رکھنا ورنہ۔۔۔“
 میں ڈوسائی کی دھمکی اچھی طرح سمجھتا تھا اس لیے کچھ نہ بولا اور پھر وہ
 تھوڑی دیر بعد واپس چلا گیا۔ وہ دن میرا سب سے بوردن گزرا۔ میرا
 موڈ سخت آف ہو گیا تھا۔ ٹھیک ہے کہ ڈوسائی کے پاس کچھ قوتیں
 میری سمجھ سے باہر تھیں مگر اس طرح حکم ماننے کی مجھے بھی عادت نہیں
 تھی۔

اسی رات میں نے آیان کو بلا کر اسے مشورہ کیا کہ اس ڈوسائی کے

ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔

”آقا!۔۔ ڈوسائی کے پاس بہت بڑی تعداد میں بیر ہیں۔ یہ بیر

اس کی مرضی کے مطابق ہر جائز و ناجائز کام کرتے ہیں۔ چونکہ یہ

انسانوں کو نظر نہیں آتے اس لیے وہ ان کو جادو سمجھتے ہیں۔ اس طرح

ڈوسائی ان سادہ لوح جنگلیوں پر حکم چلاتا ہے۔ اس برتری کو قائم

رکھنے کے لیے اسے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے اور وہ کرتا رہے گا۔“

آیان نے اپنے سمجھ کے مطابق حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر صبح میں ایک اور عورت کا خون ہوتے نہیں دیکھ

سکتا۔“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”جو آپ بہتر سمجھے۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟“ آیان کے لہجے میں

واضح خوف کی جھلک تھی۔

”تم اس ڈوسائی سے خوفزدہ ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”جی ہاں!۔۔۔ کیونکہ یہ میر بہت طاقت ور ہیں۔ چونکہ مجھے ان کا تجربہ ہو چکا ہے اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ عام بیروں سے جو کالا جادو سیکھنے والے عالموں کے پاس ہوتے، سے ہزار گنا زیادہ طاقتور ہیں اور ہم جنوں کے تو یہ ویسے بھی بہت بڑے دشمن ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے خود ہی بتایا تھا کہ اس ڈوسائی نے آپ کو بھی اپنے بے بس کر لیا تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ اس کے پاس بہت خطرناک قوتیں ہیں۔ ایسی صورت میں اس سے ٹکرانے کی حکمت عملی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ ویسے بھی آپ کی یہاں آمد کا مقصد ان عورتوں کو بچانا نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔“ آیان نے صاف لہجے میں جواب دیا۔ مجھے اس کی یہ بات بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ صاف بات کرتا تھا چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تو اس کوشش میں ہوں کہ کسی طرح اس

ڈوسائی سے کچھ سیکھ لوں مگر کیا کروں یہ دل بھی نہیں مانتا ہے۔“ میں نے بے بسی سے کہا۔

آیاں کچھ دیر تک مجھے سمجھا تا رہا اور پھر وہ رخصت ہو گیا۔ میں دیر تک یونہی بیٹھا سوچتا رہا۔ حالات کا تقاضہ یہ تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح اپنے آپ پر قابو رکھتا اور ڈوسائی کا دل جیتنے کی کوشش کرتا تا کہ وہ مجھے اپنے علوم سکھائے جبکہ ایک بے قصور عورت کے قتل پر میرا ضمیر مجھے خاموش بیٹھنے کے اجازت نہیں دیتا تھا۔ پچھلی بار تو مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں مگر اس بار تو میں جانتا ہوں اور چاہوں تو سردار کو کہہ کر اسے روکا بھی سکتا ہوں۔ مگر ڈوسائی ایسا نہیں چاہتا تھا۔ سوچتے سوچتے میرے سر میں درد ہونے لگا اور پھر میں اپنے جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔ یہ چاند کی بارہویں رات تھی اس لیے ہر طرف چاندنی کا بسیرا تھا۔ اس چاندنی میں قبیلے کے گرد موجود

درختوں نے بہت ہی محصور کن منظر باندھ رکھا تھا۔ عموماً میں رات کو جھونپڑے سے باہر نہیں نکلتا تھا اس لیے اس قدر ترقی حسن سے بے خبر تھا۔ آج اس کا نظارہ کرتے ہوئے مجھے اپنے دماغ میں شگفتگی کا احساس پیدا ہوا۔ اس بے بسی کی گھٹن میں یہ احساس بہت فرحت بخش تھا اس لیے میرے قدم خود بخود ہی آگے بڑھتے گئے اور میں گھنے جنگل کی طرف چل پڑا۔ ایک بہت بڑے برگد کے درخت کے نیچے کافی بڑا سائلا ب بنا ہوا تھا۔ اس میں موجود پانی کے اندر مجھے چاند کا چہرہ بہت بھلا لگ رہا تھا۔ میں اسی برگد کے درخت کے پاس بیٹھ گیا اور پتہ نہیں کتنی دیر یونہی پانی کے اندر چاند کے عکس کو دیکھتا رہا۔ پھر اچانک مجھے وقت کے گزرنے کا احساس ہوا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ابھی واپسی کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ ایک آواز نے میرے قدم روک لیے۔

”اے سورج دیوتا کے اوتار!۔۔۔ کیا تم میرے کچھ مدد کر سکتے ہو؟“

ایک مدھم مگر قدرے واضح آواز میں کسی نے التجا کی۔

میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ بھی نظر نہ آیا۔ میں نے سوچا کہ شاید میری سماعت کو دھوکہ ہوا ہو گا مگر اس سے پہلے کے میں آگے بڑھنے کے لیے قدم اٹھاتا، وہی آواز پھر سنائی دی۔

”مہربانی کر کے۔۔۔ میری مدد کرو۔“ زبان بلاشبہ جنگلی ہی تھی مگر اب میں اس سے کافی حد تک عبور حاصل کر چکا تھا اس لیے میں بغیر کسی غلطی کے اسے سمجھ سکتا تھا۔ یقیناً کوئی تھا جو مجھے مدد کے لیے پکار رہا تھا اور میں اسے سن تو رہا تھا مگر دیکھنے سے قاصر تھا۔ اس بار میں نے غور سے اس سمت دیکھا جہاں سے آواز آئی تھی مگر کچھ نہ دیکھ پایا۔

پھر اپنے روحانی حواس کو آزمانے کا فیصلہ کرتے ہوئے میں نے آنکھیں بند کیں اور اپنی روحانی خوردبینی آنکھوں سے جنگل کا یہ حصہ

کنگا لنے لگا۔ بلا آخر وہ مجھے مل گیا۔

وہ ایک تین سے چار انچ کا چھوٹا سا انسان تھا۔ جی ہاں!۔۔۔ بونا۔

۔۔ جو مجھ سے کوئی دس قدم کے فاصلے پر زمین پر ایک درخت کی چھوٹی سی ٹہنی میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ ٹہنی انگلش کے لفظ Y کی شکل کی تھی اور پتہ نہیں کیسے وہ اس میں اس طرح پھنس گیا تھا کہ باوجود کوشش کے نکل نہیں پار ہا تھا۔ یہ صرف میری روحانی آنکھ کا کمال تھا کہ میں اسے دیکھ پایا تھا ورنہ شاید میں کبھی بھی اسے دیکھ نہ پاتا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں اور پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف چل پڑا۔ بہت غور سے اور قریب سے دیکھنے پر مجھے وہ نظر آ گیا۔

”بہت بہت شکریہ!۔۔۔ مہربانی کر کے مجھے اس مشکل سے نجات دلائیں۔“ اس نے مجھے قریب آتے دیکھا تو پھر التجاء بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

”تم کون ہو اور کس طرح اس ٹہنی میں پھنس گئے؟“ میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”میرا نام۔۔ سروکا ہے اور میں اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ ہمارے ایک دشمن قبیلے نے ہمارے قبیلے پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا اور سب مردوں کو مار کر مجھے موت کی سزا سن کر یہاں چھوڑ گئے۔ ابھی تھوڑی دیر میں کوئی خونخوار جنگلی بلی یا کوئی اور جانور مجھے مار کر کھا جائے گا۔ یہ ایک اسی سزا ہے کہ میں سوائے بے بسی سے اپنی موت کا انتظار کرنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔ میری قسمت شاید اچھی ہے کہ آپ ادھر آ گئے اور میری طرف متوجہ بھی ہو گئے ورنہ انسان تو ہمیں دیکھ ہی نہیں پاتے۔“ اس نے جلدی جلدی اپنی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ جلدی سے مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا دلائے اس سے پہلے کہ کوئی جانور مجھے اپنا نشانہ بنالے۔“

میں نے آگے بڑھ کر بڑی احتیاط سے اسے اس ٹہنی سے علیحدہ کیا۔
 ٹہنی کو جان بوجھ کر ادھا کٹ لگا کر کھولا گیا تھا اور اس کے بیچ و بیچ
 اسے پھنسا یا گیا تھا۔ یقیناً اپنے وجود کے تناسب سے جتنی بھی طاقت
 اس میں تھی وہ اس سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کروا سکتا تھا۔ جب میں
 نے اسے آزاد کر دیا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ کچھ زخمی بھی تھا۔ شاید اس
 کی پسلیاں دباؤ کا شکار ہو گئی تھیں۔
 ”تم ٹھیک تو ہو؟“ میں نے تشویش سے پوچھا۔
 ”ابھی تو نہیں۔۔۔ مگر کچھ دیر میں چلنے کے قابل ہو جاؤں گا۔“ اس
 نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔
 ”تم اسی طرح پڑے رہے تو پھر بھی کوئی نہ کوئی جانور تمہیں اٹھا کر کھا
 جائے گا۔ تم میرے ساتھ چلو۔“ میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے
 ہوئے کہا۔

کالا جادو

ایک ایسی داستان جس میں ایک لڑکا پراسرار
 طاقتیں حاصل کرنے کے چکر میں ایک جادوگر
 کے چنگل میں پھنس گیا۔ جس نے اسے اپنے
 مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہا۔ لیکن اس لڑکے کا
 ضمیر جاگ اٹھا۔ اپنوں سے برسوں دور رہا۔
 مصیبتیں جھیلتا رہا۔

ابھی پڑھئے ”اردو رسالہ“ پر

”شکریہ!۔۔۔ آپ یقیناً ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ بونے نے جس کا نام سروکا تھا نے جلدی سے کہا اور پھر باوجود تمام تکلیف کے اٹھ کر میرے ہاتھ کی ہتھیلی پر بیٹھ گیا۔ میں اسے لیے ہوئے کھڑا ہو گیا اور آہستہ آہستہ اپنے جھونپڑے کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں، میں اپنے جھونپڑے کے سامنے تھا۔ میں نے دانستاً سروکا کو اپنی مٹھی میں دبا کر اپنا ہاتھ اپنی کمر پر باندھ لیا تا کہ پہرے دار اس کو نہ دیکھ سکیں۔ اندر داخل ہو کر میں نے سروکا کو ایک موڑھے پر کھڑا کر دیا۔

”تم اب یہاں محفوظ ہو۔“ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو کچھ کھانے کو مل سکتا ہے؟“ اس نے کسی قدر جھجکتے ہوئے پوچھا۔

”ضرور“ میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ایک ٹوکری سے کچھ پھل لا کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ اس نے بامشکل ادھانچ

کے برابر کیلا کھایا اور موڑھے پر لیٹ گیا۔ میں بغور اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ کھانے سے فارغ ہو گیا ہے تو تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے سوال کر دیا۔

”دوست!۔۔۔ کچھ اپنے بارے میں اور بتاؤ۔ تم مجھے کیسے جانتے ہو اور تم جیسے اور کتنے بونے جنگل میں آباد ہیں؟“

”اے دیوتا کے اوتار!۔۔۔ اس جنگل میں ہماری تعداد کوئی سات سو کے لگ بھگ ہے۔ ہم لوگ زیر زمین گھروں میں رہتے ہیں اور ہمیشہ انسانوں کی آبادیوں سے دور رہتے ہیں۔ ہماری ساری آبادی چھوٹے چھوٹے بے شمار قبائل میں بٹی ہوئی ہے۔ ہم انسانوں سے دور تو رہتے ہیں مگر ہمارے جاسوس ہمیشہ انسانوں کے قریب رہتے ہیں تاکہ یہ جان سکیں کہ کہیں انہیں ہمارے بارے میں علم تو نہیں ہو گیا۔ ہم جانتے ہیں کہ جس دن انسانوں کو ہمارے بارے میں علم ہوا

تو وہ فوراً ہمیں مارنے کے لیے دوڑ پڑے گے۔ اس لیے ہم نے اپنی حفاظت کے غرض سے جاسوس قریبی آبادیوں پر نظر رکھنے لیے معمور کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں یہ جانتا ہوں کہ آپ دیوتا کے اوتار ہیں اور اس آبادی میں رہتے ہیں۔“ سروکا بونے نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

”حیرت ہے۔۔ ہماری دنیا تم لوگوں کے بارے میں لاعلم ہی ہے۔“ میں نے سچی حیرت سے کہا۔

”اچھی بات ہی ہے۔ شاید اسی لیے ہم بھی زندہ ہیں۔“ پہلی بار سروکا بونے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔“ میرے پاس اس کے گمان کو غلط ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہ تھی۔ ”اچھا!۔۔ اب تم کہاں جاؤ گے؟ یقیناً اپنے قبیلے کا بدلہ لو گے؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں!۔۔۔ وہ لوگ بہت طاقت ور ہیں اور میں اکیلا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں کوشش کروں گا کہ شمال کی جانب ایک اور قبیلہ زرطہ ہے جس کا سردار میرا بہت اچھا دوست ہے، اگر میں اس کے پاس پہنچ سکا تو یقیناً اسے اپنی مدد کے لیے آمادہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ پھر وہ یقیناً میرا بدلہ اس قبیلے سے لے سکے گا۔“ سروکانے اپنا منصوبہ بتاتے ہوئے کہا۔

”تمہارے دشمن قبیلے نے تمہارے قبیلے کو کیوں تباہ کیا اور اس کے تم لوگوں سے کیا دشمنی تھی؟“ میں نے سوال کیا

”وہ قبیلہ روطاس کے نام سے جانا جاتا ہے اور بہت ہی جنگجو مشہور ہے۔ ہمارے قبیلے کہ ایک گروہ نے ان کے قبیلے کے ایک قافلے کو غلطی سے لوٹ لیا۔ بس وہ طیش میں آکر ہم پر چڑھ دوڑھے۔ چونکہ ہم پر حملہ رات کے وقت ہوا تھا اس لیے ہم تیار نہ تھے اور مات کھا

گئے۔ میرے قبیلے پچاس مرد اور پینتالیس عورتیں تھیں۔ انہوں نے سارے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں کو اپنی باندی بنا کر ساتھ لے گئے۔“ سروکانے افسوس سے اس دردناک واقعے کی تفصیل بتائی۔ ”ٹھیک ہے دوست!۔۔۔ تم جب تک چاہو یہاں رہو۔ تم مجھے ایک دوست ہی پاؤ گے۔ اگر میں تمہارے کوئی مدد کر سکوں تو بسر و چشم کروں گا۔ ورنہ جہاں تم کہو میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔“ میں فراخ دلی سے پیش کش کی۔

”آپکا بہت بہت شکریہ!۔۔۔ میں آپ کو زیادہ تنگ نہیں کروں گا اور صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔“ سروکانے جواب دیا۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ مگر نیند آنکھوں سے قوسوں دور تھی۔ پچھلے ہفتے ہونے والی عورت کی قربانی کا واقعہ بار بار میری آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ اور مجھے ایسا لگ رہا تھا

کہ وہ عورت مجھ سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔ جبکہ میں بے بسی کی تصویر بنا اس کا بے رحمانہ قتل ہوتے دیکھ رہا تھا۔ یہ سب کچھ مجھے بے چین کرنے کے لیے کافی تھا اور اس بے چینی میں نیند کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں بہت کوشش کر رہا تھا کہ اپنا دماغ ان فوائد کی طرف لگاؤ جو مجھے خاموشی سے اس قربانی کی رسم کو ہوتے ہوئے دیکھ کر ہونے تھے مگر میرا دل میرے بس میں نہیں تھا۔ آخر کار میں نے اپنے دل کے سامنے ہتھیار پھینکتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ کم از کم میرے ہوتے ہوئے یہ کھیل دوبارہ نہیں کھیلا جاسکتا۔ ٹھیک ہے کہ میں یہاں جادوئی علوم سیکھنے کے لیے آیا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے مظلوم عورتوں کا خون ہوتے دیکھتا رہوں۔ ایسی طاقت کا کیا فائدہ جو کسی مظلوم کے کام نہ آ سکے؟ اس فیصلے کے ساتھ مجھے اپنے اندر سکون کا سا احساس ہوا اور پھر اسی

سکون کے احساس نے مجھے گہری نیند سلا دیا۔
 اگلی صبح مجھے اٹھانے والا۔۔۔ سروکا تھا۔ وہ پتہ نہیں کس طرح میرے
 سینے پر چڑھ آیا تھا۔ اور بالکل میرے سر کے سامنے موجود تھا۔ اس کی
 آواز سے ہی میری آنکھ کھلی تھی۔

”اے سورج دیوتا کے اوتار!۔۔۔ میں تیرا بہت شکر گزار ہوں کہ تو
 نے میری جان بچائی۔ اگر ہو سکا تو کبھی میں بھی اس احسان کا بدلہ
 چکانے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال مجھے اجازت دوتا کہ میں قبیلہ
 زرطہ جا کر اپنے لوگوں کے ناحق خون کا بدلہ لینے کی کوئی سہیل کروں۔
 “ سروکا نے مجھے سے جانے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا۔
 ”ٹھہرو!۔۔۔ کچھ کھاپی کر چلے جانا۔“ میں نے جلدی سے کہا۔
 ”نہیں!۔۔۔ مجھے جلدی جانا ہے تاکہ ان انسانوں کے اٹھنے سے
 پہلے میں اس آبادی سے نکل جاؤں اور ویسے بھی ہم لوگوں کے لیے

کھانے پینے کی چیزوں کی کبھی تنگی نہیں رہی۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔“ سروکا نے خوشدلی سے کہا۔ اس کے صحت کافی بہتر لگ رہی تھی۔ شاید رات بھر کے آرام نے کافی حد تک اسے تازہ دم کر دیا تھا۔ میں نے اس کی خوشی میں اسے جانے کی اجازت دے دی اور اسے آہستہ سے پکڑ کر میں نے زمین پر اتار دیا۔ زمین پر پاؤں لگتے ہی وہ بڑی تیزی سے ایک طرف کو بھاگ گیا۔ اس کی پھرتی بالکل جنگلی بلیوں جیسی تھی۔ یقیناً ایک انسانی آنکھ سے اس دیکھ لینا ذرہ مشکل کام تھا۔ اگر کوئی اس کی ایک جھلک دیکھ بھی لیتا ہوگا تو یہ ہی خیال کرتا ہوگا کہ شاید کوئی چوہا یا جنگلی جانور گزرا ہے۔

اس کے جانے کے بعد میں نے اٹھ کر باہر کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ابھی صبح کی روشنی اچھی طرح نہیں پھیلی تھی۔ میں نے لیٹ کر پھر سونے کی کوشش کی مگر نہ سوسکا۔ اسی اثناء میں مجھے اپنارات والا فیصلہ یاد آ

گیا اور پھر میں اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ ڈوسائی یقیناً بہت طاقتور تھا مگر یقیناً اس کی بھی کچھ کمزوریاں ہونگی۔ اگر میں اس کی کمزوریاں پکڑ لوں تو وہ اس طرح آسانی سے مجھ پر قابو نہ پاسکے گا۔ ایسا سوچتے ہی مجھے یاد آیا کہ سورج کو فلتی گرہن لگاتے وقت وہ مجھے نہیں روک سکتا تھا۔ بظاہر اس کی طاقت وہ میری تھی جو بقول آیان کے بہت طاقتور تھے۔ مگر میری ارتکاز کی قوت نے انہیں پرے دھکیل کر آیان کو آزاد کروالیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اپنے ارتکاز کی قوت سے ان کا مقابلہ کر سکتا تھا اور شاید ان کو جلا بھی سکتا تھا۔ مگر پھر اچانک مجھے اس رات کا واقعہ یاد آیا جب ڈوسائی نے مجھے باندھ کر بے بس کر لیا تھا۔ ڈوسائی اس دھوئیں سے مجھے بے بس کر سکتا تھا۔ ظاہری سی بات ہے کہ اگر میں اپنے قوتیں کھو دوں تو پھر وہ جو چاہے کر سکتا تھا۔ تو اس مسئلہ اس کے بیروں کا نہیں

بلکہ اس دھویں کا تھا بلکہ اس دھویں کو پیدا کرنے والے سفوف کا تھا جو اس تھیلے میں بند تھا جسے ڈوسائی نے اس وقت آگ کے پاس رکھا ہوا تھا۔ یہ سب سوچ کر میں نے اس سفوف کو تلاش کرنے کی ٹھانی۔ اپنے روحانی پرواز کے ذریعے میں ڈوسائی کے جھونپڑے کے پاس پہنچ گیا۔ چونکہ وہ میری روحانی پرواز سے آشنا نہ تھا اس لیے میں بے دھڑک اس کی جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ ڈوسائی ابھی تک سو رہا تھا۔ میں نے اس کے جھونپڑے کی تلاشی لینا شروع کی اور آخر کار مجھے وہ تھیلا مل ہی گیا۔ میں نے ارتکاز کی قوت سے اسے کھولا اور اس کے اندر موجود کالے رنگ سفوف کا معائنہ کیا۔ بظاہر تو وہ ریت سے مشابہ تھا مگر مجھے اس کی حقیقت کا اندازہ تھا۔ میں نے اس سفوف والے تھیلے کو اس کی جھونپڑی سے نکال کر دوڑ پہاڑوں میں لے جا کر گرا دیا۔ پھر جیسے ہی، میں واپس اس کی جھونپڑی پہنچا۔ میں نے اس کے

بیروں کو دیکھا۔ تقریباً درجن بھر کے قریب بیرے ڈوسائی کی چارپائی کے پاس کھڑے تھے۔ ان کا قد بمشکل دو سے تین فٹ تھا۔ ان کی جسامت کسی حد تک بندروں جیسے تھی مگر شکل بہت ہی مکروہ اور اس پر باہر کو نکلے ہوئے دانت ان کے چہرے کو اور بھی زیادہ ہیبت ناک بنا رہے تھے۔ ابھی میں ان کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے ڈوسائی کو زور سے ہلا کر جگا دیا۔

”اوہ۔۔۔ تم!۔۔ کیا بات ہے؟“ ڈوسائی نے چونک کر بیروں کی طرف دیکھتے ہوئے چلا کر کہا۔

”بھوک۔۔۔ بھوک۔۔۔ بھوک“ جواب میں وہ اکھٹے ہو کر چلانے لگے۔

”اچھا۔۔۔ اچھا!۔۔ صبر کرو۔۔ آج تمہیں اگلہ شکار مل جائے گا۔ تم بھول گئے کہ آج قربانی کا دن ہے۔ میں ابھی اس کا انتظام کرتا

ہوں۔“ ڈوسائی نے ان کو تسلی دی اور پھر ایک طرف کو بہنے ہوئے غسل خانے کی طرف چل پڑا۔ میں نے اس کے جانے کے فوراً بعد ہی ایک تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک بیرے کو اپنی ارتکاز کی بھرپور طاقت سے اٹھا کر جھونپڑے سے باہر لے آیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ باقی بیروں نے اس بات کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ باہر لا کر میں اس بیرے کو کچھ دور لے گیا اور پھر ارتکاز کی قوت سے اسے جلانے لگا۔ اس بیرے کے جسم میں آگ لگ گئی اور اس کی خلق سے دردناک چیخیں نکلتی لگئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ راکھ کا ڈھیر بنا ہوا میرے سامنے تھا۔ اس کا یہ حشر دیکھ کر مجھے اپنے اندر اپنی خود اعتمادی واپس لوٹی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں ایسے ہی ان سے ڈر گیا تھا۔ یہ تو میرے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھے۔ میں پھر واپس جھونپڑے میں آ گیا۔ باقی بیرے ویسے کہ ویسے کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر میں ڈوسائی

باہر آ گیا۔ اس نے اپنا مخصوص پجاریوں والا لباس پہنا ہوا تھا اور گلے میں مالا بھی لٹکائی ہوئی تھی۔ پھر وہ جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ وہ سیدھا اس میدان میں پہنچا جہاں پر قربانی ہونا تھا۔ پھر ایک خاص جگہ کا تعین کر کے اس نے ان بیروں کو زمین پر ایک خاص حصے کی طرف متوجہ کیا۔ وہ بیر بہت تیزی سے وہاں اکٹھے ہو گئے۔ پھر وہ ان کو وہیں چھوڑ کر سردار کی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔

تقریباً ادھے گھنٹے میں وہاں پر تمام قبیلے والے جمع تھے۔ پجاری کا سرخ بالوں والا چیلہ کہیں سے ایک عورت بھی لے آیا تھا۔ وہ عورت شکل سے ہی بہت ڈری ڈری لگ رہی تھی۔ اسے وہ جنگلیوں نے باندھ کر اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔ پھر سردار نے ایک جنگلی کو مجھے لانے کے لیے بھیجا۔ میں فوراً اپنے روحانی پرواز ترک کر کے اپنی جسمانی جگہ حاضر ہوا اور باہر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ پھر جیسے ہی وہ جنگلی

وہاں پہنچا میں اس کے ساتھ اسی میدان کی طرف چل دیا۔
 ”آج عبادت جلدی کرنے کا پروگرام ہے؟“ میں نے وہاں پہنچتے
 ہی سردار سے سوال کیا۔ میرے اس سوال پر وہ گڑبڑا گیا۔ پجاری نے
 حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے فوراً ہی مداخلت کی۔
 ”اے دیوتا کے اوتار!۔۔۔ انہیں میں نے آج جلدی کرنے کو کہا
 تھا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ عبادت جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہوتا
 ہے۔“ پجاری نے اپنی ایک آنکھ کو تھوڑا سا دباتے ہوئے کہا۔
 ”اس عورت کو میرے سامنے پیش کیا جائے“ میں نے پجاری
 ڈوسائی کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ فوراً ہی جنگلی اس
 عورت کو لے کر میرے سامنے پیش ہو گئے۔ میں نے اس عورت سے
 پوچھا کہ وہ ان کے ہاتھ کیسے لگی۔ اس عورت نے مختصر بتایا کہ پچھلی
 رات سرخ بالوں والا اسے گھر سے اٹھالایا تھا۔ رات بھر زیادتی

کرنے کے بعد اب وہ اس کی قربانی دینا چاہتا ہے۔ یہ سب سن کر
میں نے قہر آلود نظروں سے سرخ بالوں والے کو دیکھا جو میرے
گھورنے سے ہی لرز نے لگا تھا۔

”تم ان عورتوں پر بہت ظلم کرتے ہو اور سورج دیوتا کو یہ بالکل پسند
نہیں ہے۔“ میں نے گونج دار آواز میں کہا۔ ”آج سے کسی عورت
کی قربانی نہیں کی جائے گی۔ اور اس عورت کے ساتھ زبردستی کرنے
کے جرم میں، اس سرخ بالوں والے کو مزائے موت سنائی جاتی
ہے۔“

میرے اس اعلان پر ڈوسائی بری طرح اچھل پڑا۔
”مگر اتارا!۔۔۔ یہ ضروری ہے۔“ ڈوسائی نے سخت لہجے میں کہا۔
”خبردار!۔۔۔ اپنی آواز نیچی رکھوں ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔“ میں
نے کڑک دار لہجے میں کہا اور پجاری تیز نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔

”سردار!۔۔ اس سرخ بالوں والے کو یہیں سب کے سامنے موت کے گھاٹ اتارا جائے۔“ میں نے سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور اس نے ہچکچاتے ہوئے جنگلیوں کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ مگر اچانک پجاری نے چیخ کر انہیں روک دیا اور دو قدم آگے بڑھ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”تم اپنی اوقات سے آگے بڑھ رہے ہو۔ اب تمہارا پول کھولنا ضروری ہو گیا ہے۔“ پھر اس نے جنگلیوں کی طرف منہ کر کے کہا۔ ”اے قبیلے والو!۔۔ یہ شخص دھوکے باز ہے اور یہاں جادوئی علوم سیکھنے آیا ہے۔ یہ دیوتا کا اوتار نہیں ہے اور محض تم لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ میں ابھی اسے ٹھکانے لگاتا ہوں۔“

یہ کہتے ہی اس نے میرے طرف منہ کیا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ اگلے ہی لمحے مجھے اپنے ارد گرد غیر مرئی آواز میں سنائی

دیں۔ میں سمجھ گیا کہ اس نے اپنے بیرمجھ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے ہیں۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر کے اپنی روحانی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ وہ تعداد میں چھ تھے۔ میں نے فوراً اپنی ارتکاز کی توجہ سے ان سب کو بیک وقت جلانا شروع کر دیا۔ ان کے حلق سے نکلنے والی چیخیں صرف ڈوسائی ہی سن سکتا تھا۔ اور وہ سر تا پا حیرت زدہ کھڑا تھا۔ ان کو جلانے کے بعد میں نے آنکھیں کھول دیں۔

”اے پجاری!۔۔۔ سورج دیوتا کی شان میں گستاخی کر کے تم نے اپنی موت کو آواز دی ہے۔ اب تم سے جو ہو سکتا ہے کر لے۔ میں سورج دیوتا کی مدد سے تجھے تیرے انجام تک پہنچاؤں گا۔“ میں نے کڑک دار لہجے میں کہا۔ میرے آواز سن کر وہ ایک دم سے چونک پڑا اور پھر اس نے اپنا دوسرا حملہ کیا۔ اس بار آگ نے مجھے گھیر لیا مگر میں اسے پہلے بھی ناکام بنا چکا تھا اس لیے آیت کریمہ پڑھ کر میں نے

جلدی سے اس پر قابو حاصل کیا اور پھر بغیر کوئی وقت ضائع کیے۔
 ڈوسائی کو اپنی ارتکا زکی توجہ سے جلا نے لگا۔
 آگ نے جب ڈوسائی کے جسم کو جلایا تو وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے
 لگا۔ کچھ ہی دیر میں اس کا جسم راکھ کی شکل میں میرے سامنے تھا۔ اور
 پھر اچانک ہر طرف غیر مرئی آوازیں آنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی
 جنگلیوں کے چیخنے کے آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔ میں نے غور سے
 دیکھا تو حیران رہ گیا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نادیدہ فوج نے
 سارے قبیلے والوں پر ہلا بول دیا ہو۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر
 کے روحانی آنکھ کھولی تو ایک حیران کن منظر میرے سامنے تھا۔
 سارے قبیلے پر ہزاروں کی تعداد میں بیروں نے حملہ کر دیا تھا۔
 میرے دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے جنگلی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔
 ان کو مرتاد دیکھ کر باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے آخری کوشش

کے طور پر کچھ بیروں کو اپنی ارتکاز کی قوت سے جلایا مگر باقی بس سے
 مس نہ ہوئے اور اس جنگ میں بہت سے جنگلی مارے گئے اور باقی
 کہیں بھاگ گئے۔ اس کے ساتھ ہی تمام کے تمام بیروں نے
 میرے جسم کی طرف رخ کیا جواب اکیلا اس میدان میں کھڑا تھا۔
 میرے لیے یہ ممکن نہ تھا میں ایک ہی وقت میں ان ہزاروں بیروں کو
 جلا دیتا اس لیے مجھے اپنے جسم کو بچانے کو اولین ترجیح دینا پڑی۔ میں
 نے فوراً اپنے ارتکاز توجہ سے اپنے جسم کو اٹھایا اور پرواز کرتے ہوئے
 وہاں سے دور لیجانے لگا۔ مگر مجھے احساس ہو گیا کہ تمام بیر میرے
 پیچھے ہی لگے ہوئے تھے۔ یہ ایک عجیب مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ میں
 اپنے جسم کو لیے آگے آگے پرواز کر رہا تھا جبکہ میرے پیچھے ہزاروں
 بیر میری ہی طرح پرواز کرتے ہوئے پیچھا کر رہے تھے۔ میرا
 دماغ تیزی سے اس کا حل سوچ رہا تھا مگر کوئی واضح حل نظر نہیں آ رہا

تھا۔ ان بیروں کی رفتار میری رفتار سے کسی طور بھی کم نہ تھی۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں زیادہ دیر تک یوں ہی بھاگ نہیں سکتا۔ اچانک میں نے ایک جزیرہ دیکھا جو مکمل طور پر درختوں کے جھنڈوں سے ڈھکا ہوا تھا تاہم اس کے بیچ و بیچ ایک جھونپڑی موجود تھی جس کے گرد کچھ فاصلے تک درختوں کو کاٹ کر کھلا میدان بنایا گیا تھا۔ مجھے اس میدان کو دیکھ کر ایک ترکیب سوچھی۔ اگر میں اس میدان میں اتر جاؤں اور پھر ان درختوں میں آگ لگا دوں تو یقیناً یہ ہزاروں کی تعداد میں بیر اس چھوٹے سے میدان میں نہ سما سکیں گے اور یقیناً جل جائے گے۔ اس ترکیب کے آتے ہی میں نے تیزی سے اپنے جسم کو اس جھونپڑی کے سامنے اتارا اور فوراً ارتکا زتوجہ سے درختوں کو آگ لگانے لگا۔ بہت سے بیر میرے قریب اتر گئے تھے مگر باقی ابھی بھی ہوا میں تھے اور اس آگ کا شکار ہو رہے تھے۔ مگر وہ بیر جو میرے

قریب اترے تھے انہوں نے میرے جسم پر حملہ کر دیا۔ تکلیف کے احساس سے میری روحانی پرواز ختم ہو گئی۔ میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ مگر اب مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور بس یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت میرے پر حملہ کر رہی تھی اور میرا جسم تیزی سے لہو لہان ہو رہا تھا۔ میں ان کو دھکیلنے کے لیے لاشعوری طور پر ہاتھ پاؤں ہلا رہا تھا کہ اچانک مجھے آیت کریمہ کا خیال آیا۔ مجھے ہمیشہ کلام پاک نے ہی ایسی مشکلات سے نکالا تھا۔ پھر مزید وقت ضائع کیے بغیر میں نے آیت کریمہ کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ مگر یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ان بیروں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں ایک ننگ دھڑنگ مگر ہٹا کٹا آدمی جھونپڑی سے نکلا۔ اس کی شکل پر سخت غصے کے آثار تھے۔ اس نے کچھ پڑھ کر ادھر ادھر پھونکا اور درختوں کو لگی آگ تیزی بجھنے لگی۔ جیسے جیسے آگ بجھ

رہی تھی۔۔۔ اتنے ہی زیادہ میرا اس میدان میں آکھٹے ہو رہے تھے اور مجھے اپنے جسم پر کٹنے کی تکلیف تیزی سے بڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔ تکلیف اب اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ اب میری برداشت نے جواب دے دیا۔ میرے حلق سے نکلنے والی چیخوں نے درختوں پر بیٹھے پرندے بھی اڑا دیے۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک چار پائی پر پایا۔ یہ چار پائی درختوں کی شاخوں اور پتوں سے بنی ہوئی تھی اور بہت بری طرح سے چبھ رہی تھی۔ مگر جب میں نے غور سے دیکھا تو احساس ہوا کہ یہ چبھن اس چار پائی کی نہیں بالکل میرے جسم پر لگے ہزاروں زخموں سے اٹھنے والی ٹیسوں کی وجہ سے تھی۔ میرے جسم کے گرد کپڑے بس نام کے ہی تھے۔ لاشعوری طور پر میں نے اپنے بازو پر بندھے تعویز کو دیکھا تو سکھ کا ایک سانس لیا کیونکہ وہ وہی پر موجود تھا۔ اس کا مطلب

تھا میں ابھی تک طاش سرکار کی نظروں سے اوجھل ہی تھا۔ یہ سوچ کر مجھے کچھ تسلی ہوئی۔ پھر گزرا ہوا وقت میری آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح گھوم گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں بیروں نے میرے جسم پر ہلا بولا تھا۔ ایسی صورتحال میں میرا زندہ بچ جانا حیرت انگیز تھا۔ ابھی میں بیٹھا ان حالات پر غور ہی کر رہا تھا کہ میں نے اسی ہٹے کٹے ننگ دھڑگ آدمی کو سامنے سے اپنی طرف آتے دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ کسی طرح اس آدمی نے میری جان بچائی ہے۔ اس سوچ کے ساتھ ہی میرے اندر اس کے لیے احترام اور تشکر کے جذبات اٹھ اُڑے۔

میرے قریب آ کر اس آدمی نے کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا۔ اس کا لہجہ تیز تھا مگر بات میرے سمجھ میں نہ آئی۔ یقیناً وہ کسی بات پر ناراض تھا۔ شاید اس بات پر کہ میں نے ان درختوں میں آگ لگائی تھی۔ میں نے کچھ سوچ کر جنگلی زبان جو میں نے اس چائیز سے سیکھی تھی،

اس سے معذرت کی۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر بولا۔
 ”تم سورجھی قبیلے سے ہو؟“ اس بار اس نے اسی جنگلی زبان میں
 سوال کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس زبان کو بھی جانتا تھا۔
 ”جی ہاں!“ میں اپنے اندر کی خوشی چھپائے بغیر نہ رہ سکا۔
 ”تم کب سے ان بیروں کو اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے
 تھے؟“ اس نے اگلے سوال کیا اور اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا
 ۔۔۔ وہ خود ہی بول پڑا ”مگر یہ بات ذہن میں رکھو کہ اب میں ان کا
 مالک ہوں اور وہ میرے غلام ہیں۔“ ایسا کہتے ہوئے اس کے لہجے
 میں غضب کا غرور تھا۔
 ”در اصل میں ان بیروں کو اپنا غلام نہیں بنانا چاہتا تھا بلکہ انہوں نے
 مجھ پر حملہ کیا تھا۔ میں نے ایک لڑائی میں ان کے مالک کو مار دیا تھا۔
 شاید اس لیے انہوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔“ میں نے جلدی سے اس

کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔ میرے جواب سے وہ چونک پڑا۔
 ”تم مجھے اپنی کہانی ذرا تفصیل سے بتاؤ۔“ اس نے حکمیہ لہجہ میں کہا۔
 مجھے اس کا لہجہ کافی ناگوار لگا مگر یہ یاد کر کے میں اسے پی گیا کہ اس
 نے میری جان بچائی تھی۔ پھر میں نے مختصراً اپنی کہانی سنائی جس
 میں نکلی دیوتا کا اوتار بننا اور پھر ڈوسائی کے ساتھ لڑائی بھی شامل
 تھی۔ میرے کہانی سننے کے بعد وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔
 ”تو۔۔ تم جادوئی طاقتیں حاصل کرنا چاہتے ہو۔۔۔ مگر جس طرح تم
 نے ڈوسائی پجاری کو قتل کیا ہے اس سے لگتا ہے کہ تم بھی جادوئی
 طاقتیں رکھتے ہو۔“ پھر کچھ دیر مزید سوچنے کے بعد وہ دوبارہ بولا۔
 ”میں بھی اسی راہ کا مسافر ہوں۔ دس سال سے اس جزیرے پر ہوں
 اور مختلف عملوں کے ذریعے اپنی طاقت بڑھا رہا ہوں۔ اگر تم مجھے اپنی
 قوتوں کا راز بتا دو تو میں بھی تمہیں بہت سارے عمل بتا سکتا ہوں۔ اس

سے تمہارے قوت میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔“ اس بار اس کے لہجے میں عیاری نمایاں تھی۔

”تم سچ کہتے ہو۔ میرے پاس بھی قوتیں ہیں۔ مگر میں اس بات پر کیسے یقین کر لوں کہ تم مجھے کچھ سیکھاؤ گے۔ اور یہ بھی کہ تمہارے پاس واقعی کچھ ایسے قوتیں ہیں جن سے مجھے فائدہ ہو سکتا ہے؟“ میں نے کچھ سوچ کر ایک چال چلتے ہوئے کہا۔

”ہوں۔۔۔ تم مجھ پر شک کرتے ہو۔۔۔ سیڈھا پر شک۔“ اس بار اس نے بڑے غصے سے کہا۔ وہ یقیناً غصے کا تیز تھا۔

”نہیں۔۔۔ مگر کیا تم مجھے اپنی قوتوں کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟ تاکہ مجھے اندازہ ہو سکے کہ اگر میں تمہیں اپنی قوت کا راز بتا دوں تو بدلے میں مجھے کیا ملے گا۔“ میں نے صورتحال بدلتی دیکھ کر جلدی سے وضاحت کی۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔۔ تمہارے اندازے کے لیے میں صرف یہ بتا دیتا ہوں کہ میرے پاس پانچ لاکھ بیر ہیں۔ جو میرے اشارے پر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے آزاد بیروں کو قابو کرنے کا عمل بھی آتا ہے جس کی مدد سے میں نے تم پر حملہ آور بیروں کو قابو میں کیا تھا۔ میں ایسے بہت سے عملیات جانتا ہوں جس سے کسی بھی انسان کو آگ میں جلایا جاسکتا ہے یا پھر مختلف طریقوں سے اذیتیں دے دے کر قتل کیا جاسکتا ہے۔“ وہ آدمی جس نے اپنا نام سیڈھا بولا تھا نے بڑے فخر یا انداز میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”بس یہ ہی۔۔۔“ میں نے جان بوجھ کر اس کو غصہ دلایا۔ میں جانتا تھا کہ وہ غصے کا تیز ہے اس لیے یقیناً بڑھ کر بولے گا اگر وہ کچھ اور جانتا ہو تو۔ میرا تیر نشانے پر لگا۔ اس کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ پھر وہ غضبناک لہجے میں بولا۔

”کیا تمہاری تسلی کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ میں افریقہ کے سب سے بڑے پروہت جوالا کا چیلہ ہوں؟“

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ یہی تو وہ نام تھا جس کی تلاش میں میں یہاں پر آیا تھا۔ تو یہ اس جوالا پروہت کا چیلہ تھا جس سے مجھے وہ سب کچھ سیکھنا تھا جس سے میں طالش سرکار کا مقابلہ کر سکوں۔

”بس بس۔۔۔ اتنا کافی ہے۔ مگر تم جوالا پروہت کے چیلے ہو تو پھر یہاں اس جزیرے میں دس سال سے کیا کر رہے ہو۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

اب چونکنے کی باری اس کی تھی۔

”میں تم کو کیوں بتاؤ۔۔۔ اب تم بتاؤ۔۔۔ تمہارے پاس وہ کونسی طاقت ہے جو تم مجھے سیکھا سکتے ہو۔“ سیڈھا نے سنبھالتے ہوئے کہا۔

شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ غصے میں وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا۔

”میرے پاس ایسی قوت ہے کہ میں بڑے سے بڑے پتھر کو بڑی آسانی سے بغیر ہاتھ ہلائے اٹھا سکتا ہوں۔ اور میں پلک چمکنے میں ساری دنیا کا چکر بھی لگا سکتا ہوں۔“ میں نے اس پر رعب ڈالتے ہوئے کہا۔

”پتھر اٹھانے والے طاقت تو کچھ خاص نہیں ہے۔ میرے بڑے آسانی سے یہ کام کر سکتے ہیں۔ مگر یہ جو بات تم نے دنیا کا چکر لگانے کی کہی ہے۔ مجھے اس کے بارے میں اور بتاؤ۔ میں یہ سب کیسے سیکھ سکتا ہوں۔“ سیڈھانے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

”میں ضرور سیکھاؤں گا۔ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ میں کافی زخمی ہوں۔ کیا تم میرے صحت یاب ہونے تک انتظار نہیں کر سکتے؟“ میں نے اس سے وقت لینے کی غرض سے کہا۔

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ اور تب تک تم میرے مہمان ہو۔“ سیڈھا

نے جلدی سے کہا۔ اس کے لہجے میں خوشی نمایاں تھی۔
 ”میں تمہارے لیے سو لکھی لے کر آتا ہوں۔ اس سے تم جلدی ٹھیک
 ہو جاؤ گے۔“ سیڈھانے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر تیزی سے ایک
 سمت بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ وہ
 شاید جھونپڑی کی اندرونی حصہ تھا۔ میری چار پائی کے ارد گرد گھاس
 پوس کی کثرت تھی۔ چھت با مشکل آٹھ فٹ کے فاصلے پر تھی اور دیوار
 کے قریب دو چراغ روشن تھے جن کی روشنی سے پوری جھونپڑی روشن
 تھی۔ ارد گرد کے جائزے کے بعد میں اس سیڈھانے کی شخص کے
 ذریعے پروہت جوالاتک پہنچنے کا ترکیب سوچنے لگا۔
 سیڈھانے خاص توجہ سے میرا علاج کیا اور میں چند دنوں میں ہی اچھا
 بھلا ہو گیا۔ اس دوران میرا قیام اسی جھونپڑی تک ہی محدود رہا
 تھا۔ سیڈھا بہت عجیب سا انسان تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں

مصروف رہتا تھا یا پھر جنگل میں گھومنے نکل جاتا تھا ایک دو بار میں نے اپنی روحانی پرواز سے اس کا پیچھا بھی کیا مگر وہ بس ویسے ہی جنگل میں گھوم پھر کر واپس چلا آتا تھا۔ اس نے کبھی مجھ سے زیادہ بات نہیں کی تھی بس صرف اتنی جس کی ضرورت ہو۔ جب اس کو احساس ہوا کہ میں اب بہت بہتر حالت میں آگیا ہوں تو اس نے اصرار شروع کر دیا کہ میں اسے روحانی پرواز کا عمل سکھاؤں۔ چونکہ جھوٹ بولنا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا اس لیے میں نے وہ سارا عمل اسے بتا دیا جو مجھے میرے دادا نے سیکھایا تھا۔ تاہم اس کی تفصیل سے ہی وہ کچھ پریشان لگ رہا تھا۔ مگر اس نے ارتکا ز توجہ کی مدد سے بہت چھوٹے پتھر کو ہلانے کے عمل کی پریکٹس شروع کر دی۔ جواب میں، اس نے مجھے وہ عمل بتایا جس سے کسی بھی بیر کو اپنی مرضی کا کام کرنے کے لیے آمادہ کیا جاسکتا تھا۔ دراصل یہ کوئی عمل نہیں تھا بلکہ ان بیروں کی نفسیات

سے واقفیت تھی۔ وہ مجھے اپنے ایک بیر کے ساتھ کچھ وقت کے لیے اکیلا چھوڑ دیتا تھا اور چاہتا تھا کہ میں اس سے اپنی مرضی کا کام لوں۔ شروع شروع میں تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا مگر پھر آہستہ آہستہ میں اسے سمجھنے لگا۔ اس میں بیروں کو لالچ اور ڈر دونوں دے کر اپنا کام نکالنا ہوا تھا۔ اس دوران مجھے علم ہوا کہ بیر بھی عام جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کو بھی بھوک لگتی ہے اور مختلف بیر مختلف قسم کی چیزیں خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ڈوسائی کے بیر انسانی گوشت اور خون کھاتے تھے۔ کچھ بیر گھاس پوس اور جڑی بوٹیا بھی کھاتے ہیں۔ گوشت کھانے والے بیر گھاس پوس کھانے والے بیروں سے حد درجہ زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ ان سے کام نکالنے کے لیے اپنے ذہن کا استعمال کرنا پڑتا ہے یا پھر ان کو اپنی غلامی میں لے لیا جاتا ہے۔ اگر ایک بیر آپ کی غلامی میں آجائے تو پھر آپ کو

اس کے خوراک کا مکمل طور پر خیال رکھنا ہوتا ہے۔ کسی بھی بیر کو غلامی میں لانے کے لیے مختلف عمل کرنے پڑتے ہیں جن کے بارے میں مجھے سیڈ ہانے بعد میں بتانے کا کہا اور فی الحال کسی ایک بیر سے اپنی مرضی کا کام لینے کے عمل کی پریکٹس کرنے کو کہا۔ اس عمل میں مہارت کے لیے یقیناً بہت پریکٹس کی ضرورت تھی اور میں اس میں مصروف ہو گیا۔

ایک دن جب سیڈ ہارات کا کھانا میرے ساتھ کھا رہا تھا کہ میں نے ایسے ہی ایک سوال کر دیا۔

”سیڈ ہا!۔۔ تم یہ علوم کیوں سیکھنا چاہتے ہو؟“

اس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر کچھ سوچ کر بولا۔

”طاقت کس کو بری لگتی ہے؟ اور تم؟“ اس نے الٹا مجھ سے یہی سوال کر دیا۔

”مجھے کسی سے بدلہ لینا ہے۔ وہ میرا دشمن ہو گیا ہے۔ یا تو وہ مجھے مار دے گا یا پھر مجھے طاقت ور بن کر اسے مارنا ہے۔ بس اسی لیے میں در بدر طاقت حاصل کرنے لیے بھاگ دوڑ کر رہا ہوں۔ مگر تمہارا معاملہ عجیب ہے۔ ایسے شوق کا کیا فائدہ کہ جس کے اظہار کا موقع ہی نہ ملے۔ میرا مطلب ہے کہ جیسے تم دس سال سے یہی پرہو اور پتہ نہیں کب تک یہاں پر رہو گے۔ باہر کی دنیا تو شاید تمہارے بارے میں کچھ جان ہی نہ پائے گی۔“ میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے پھر اس سے سوال کر دیا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ کوئی بہت بڑی طاقت بن کر ہی یہاں سے جاؤں۔“ سیڈھانے مختصر سا جواب دیا۔

”تم نئے عمل کہاں سے سیکھتے ہو؟ اور تم نے بتایا تھا کہ تم جوالا پروہٹ کے چیلے ہو۔ اگر ان کے چیلے ہو تو ان کے پاس کیوں نہیں جاتے

تا کہ وہ تم کو زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کرنے میں مدد کر سکیں۔“
میں نے پھر اپنے سوال کی وضاحت کی اور اس ٹاپک پر آگیا جس کو
شروع کرنا ہی میرا مقصور کلام تھا۔

”ان کے چیلے کے لیے ان کے پاس جانا ضروری نہیں ہوتا۔ وہ جہاں
پر بھی ہوں اپنے چیلوں کی راہنمائی کر سکتے ہیں۔ میری بھی وہ وقتاً
نوقتاً راہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ دراصل میں ایک ایسے عمل کے
پیچھے ہوں جس کے لیے بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ میں نے
بڑی خدمت کر کے پروہت جی سے اس عمل کی تفصیل تو معلوم کر لی
ہے مگر ابھی تک اس میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر پایا
ہوں۔“ سیڈھانے اس بار کچھ تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ مگر اس کے
لہجے میں مایوسی کا عنصر نمایاں تھا۔

”اگر تم مجھے اس عمل کے بارے میں کچھ بتاؤ تو شاید میں کچھ مدد

کر سکوں۔“ میں نے جلدی سے آفر کی۔

”تم“ اس نے حقارت سے کہا۔ ”تم ابھی بہت پیچھے ہو۔ بس اسی عمل پر توجہ دو جو میں نے بتایا ہے۔ ویسے بھی تمہارے بتائے ہوئے عمل سے بھی مجھے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو رہا۔ مجھے تو لگتا ہے کہ تم نے ٹالنے کے لیے مجھے ایسا مشکل عمل بتایا ہے۔“

”نہیں ایسا نہیں ہے۔“ میں نے جلدی سے وضاحت کی۔ ”اس عمل میں واقعی بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ میں بھی سالوں کی ریاضت سے اس پر عبور حاصل کیا ہے۔“

”اچھا۔۔ اچھا۔۔ ٹھیک ہے۔ اب مجھے چلنا ہے۔“ حسب معمول کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ اٹھ کر ایک طرف کوچل دیا۔ اس دن میں نے سوچا کہ مجھے جوالا پروہت تک پہنچنے کے لیے کوئی اور ترکیب سوچنا ہوگی۔ یہ سیڈھا شاید میرے کچھ مدد نہ کر سکے۔ مگر اس

دوسری ترکیب کے بارے میں سوچتے سوچتے میرے دماغ کی چولیس ملنے لگیں۔ آخر تھک کر میں نے اس پر سوچنا ہی چھوڑ دیا۔ اس بات چیت کے دوسرے روز چند جنگلی سیڈھا سے ملنے آئے۔ اس نے ان سے ملاقات اپنے جھونپڑے میں کی۔ ویسے تو اس نے مجھے اندر آنے سے منع کیا تھا مگر میں روحانی پرواز سے ان کے درمیان پہنچ گیا۔ وہ سب سیڈھا کے دوست تھے اور اسے ایک خاص خبر دینے آئے تھے۔ اور وہ خبر تھی کہ منحوس جوشو واپس آ گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر سیڈھا بہت پریشان ہو گیا تھا پھر وہ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد چلے گئے۔ مگر سیڈھا مسلسل پریشان ہی تھا۔ میں نے روحانی پرواز ختم کی اور اس سے مزید معلومات کے لیے اس کے پاس چلا آیا۔

”خیریت تو ہے سیڈھا!۔۔۔ تم بہت پریشان دکھائی دے رہے ہو۔“

میں نے اس سے سوال کیا۔

”نہیں کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ میں بس۔۔۔ ٹھیک ہوں“ اس نے اسی طرح پریشان لہجے میں جواب دیا۔

”دیکھو سیڈھا!۔۔۔ میں نے تو تمہیں اپنا دوست مان لیا ہے۔ تم بھی اگر مناسب سمجھو تو مجھے اپنے دوست کا درجہ دے دو۔ میں شاید تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا مگر دکھ اور پریشانی بانٹنے سے ہمیشہ کم ہوتی ہیں۔“ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”تم شاید ٹھیک ہی کہتے ہو۔“ اس نے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔” میں بھی اب اس بوجھ کو اٹھا اٹھا کر تھک گیا ہوں۔ شاید تم ہی اس کا کوئی حل تلاش کرنے میں میری مدد کر سکو۔ کبھی کبھی چونٹیاں بھی ہاتھی کو مار گراتی ہیں۔“

مجھے اس کی مثال قطعی طور پر پسند نہیں آئی مگر میں نے اس کے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

”ضرور!۔۔ اگر میں کسی قابل ہوا تو یقین رکھوں۔۔۔ جو بھی ہو سکا تمہاری مدد کروں گا۔“ میری حوصلہ افزائی سے شے لے کر اس نے تفصیل سے بتانا شروع کیا۔

”میں اپنے قبیلے میں اپنے ماں باپ اور اپنے دو چھوٹے بھائیوں کے ساتھ اچھی زندگی بسر کر رہا تھا کہ پھر وہ منحوس جو شوہارے قبیلے میں آ گیا۔ اسے اپنے کسی کام کے لیے مزدوروں کی ضرورت تھی۔ میں اور میرا ایک چھوٹا بھائی مزدور کی حیثیت سے اس کے ساتھ چل دیے۔ اس نے ہم سے ایک بہت بڑی جھونپڑی بنوائی۔ اور اچھی خاصی مزدوری بھی دی مگر یہ قسم بھی لی کہ ہم کسی کو بھی اس جھونپڑی کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ ہم کچھ عرصے بعد ہی اس واقعہ کو بھول گئے مگر ایک دن وہ واپس آیا اور کہنے لگا کہ ہم لوگوں میں سے کسی نے اس قسم کو توڑا ہے جس کی وجہ سے اسے کافی نقصان ہوا

ہے۔ یا تو ہم وہ بندہ اسے دے دیں جس نے قسم توڑی ہے یا پھر سب لوگ اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے تیار ہوں جائیں۔ ہم نے بڑی قسمیں کھا کر اس یقین دلانے کے کوشش کی کہ ہم میں سے کسی نے کسی کو کچھ نہیں بتایا مگر وہ بضد رہا۔ پھر ایک جوشی کو بلایا گیا جو علم نجوم جانتا تھا۔ اس نے اپنے علم کی مدد سے میرے بھائی کا نام نکال دیا۔ بس پھر کیا۔۔۔ جوشو نے میرے بھائی کو اپنے ساتھ چلنے کا کہا۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے جوشو اور اس کے جوشی دونوں کو خوب برا بھلا کہا اور اپنے بھائی کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ جوشو کے دو آدمیوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی مگر میری جسمانی قوت ان سے زیادہ تھی اس لیے وہ کچھ نہ کر سکے۔ لیکن پھر وہ منحوس جوشو اپنے اصل روپ میں آ گیا۔ ایک دن صبح جب ہم اٹھے تو ہماری ماں کا سر ان کے جسم سے الگ پڑا ہوا تھا۔ حالانکہ ہم ساری رات ان کے

ساتھ ہی سوئے تھے مگر کسی نے کسی قسم کی بھی کوئی آواز یا اماں کی چیخ نہیں سنی تھی۔ ہم سب بھائی بہت غمگین اور پریشان بھی تھے۔

بہر حال اپنی اماں کو دفنا کر واپس آئے تو جوشو نے ایک آدمی کے ذریعے پیغام بکھوایا کہ ابھی بھی وقت ہے میں اپنے چھوٹے بھائی کو اس کے حوالے کر دوں ورنہ اور بھی لاشیں دفنانے کے لیے تیار ہو جاؤں۔ یہ جان کر کہ وہ منحوس ہی میری ماں کا قاتل ہے میں تو سیخ پا ہو گیا۔ ایک دم سے اس آدمی پر چڑھ دوڑا جو پیغام لے کر آیا تھا۔ اس کی اچھی خاصی ٹھکانی کر کے میں نے ایک نیزا اٹھایا اور اسی جھونپڑی کی طرف چل دیا جو ہم نے اس جوشو کے لیے بنائی تھی۔ یقیناً وہ اسی میں رہتا تھا۔ جھونپڑی کے باہر پہنچ کر میں نے جوشو کو لکارا۔ مگر کوئی باہر نہ آیا۔ کچھ دیر باہر سے لکارے کے بعد میں اس جھونپڑی کے اندر چلا گیا مگر جوشو وہاں نہ تھا۔ جوشو کو وہاں نہ پا کر میں واپس گھر

پہنچا تو یہ روح فرساں خبر میرے انتظار میں تھی کہ کسی نے میرے باپ کو بھی قتل کر دیا ہے۔ طریقہ کار وہی تھا کہ ان کا سر ان کے جسم سے الگ پڑا ہوا تھا مگر کسی نے بھی ان کے پیچھے یا پھر کسی لڑنے کی کوئی آواز نہ سنی تھی۔ میرا دماغ غصے اور غم کی شدت سے اپنا توازن کھو بیٹھا اور میں پاگلوں کی طرح ارد گرد کھڑے لوگوں پر نیزے سے حملے کرنے لگا۔ مجھے تو اچھی طرح یاد نہیں مگر لوگ بتاتے ہیں کہ میں نے کم از کم دس جنگلیوں کو زخمی کیا تھا۔ پھر سردار کے حکم سے مجھے پکڑ کر ایک جھونپڑے میں قید کر دیا گیا۔ میں وہاں تقریباً ایک سال تک رہا۔ اس دوران ہمارے قبیلے کے وچ ڈاکٹر نے میرا علاج کیا۔ پھر جب میرا دماغ ٹھکانے پر آیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں اپنا سب کچھ کھو چکا تھا۔ ماں باپ اور بھائی بھی۔ میرے دونوں چھوٹے بھائی لاپتہ تھے۔ قبیلے میں کوئی بھی ان کے بارے میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں

گئے۔ مجھے یقین کی حد تک شک ہے کہ انہیں اس منحوس جوشو نے اغواء کروایا ہوگا۔ مگر میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت طاقتور ہے۔ بس اس دن سے میں نے انتقام کی ٹھانی اور افریقہ کے سب سے بڑے پروہت جوالا کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کا چیلہ بن گیا۔ انہوں نے ہی مجھے اس جزیرے پر ایک کام دے کر بھیجا۔ ساتھ ہی کچھ عمل بھی بتا دیے تاکہ میں ان کے کام کے ساتھ ساتھ عمل بھی سیکھ کر طاقتور بن جاؤں۔ آج مجھے میرے قبیلے کے لوگ بتانے آئے تھے کہ وہی منحوس جوشو آج کل پھر مزدوروں کی تلاش میں قبیلے میں آیا ہوا ہے۔ وہ کبھی کبھار ہی قبیلے میں آتا ہے اور مزدور ملتے ہی چلا جاتا ہے۔ پھر اسے کوئی تلاش نہیں کر پاتا۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے مگر مجھے اندازہ نہیں ہے کہ اس کے پاس وہ کونسی قوت ہے جس سے وہ آدمی کا سر کٹوا دیتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں

چلتا۔ اگر اس نے وہی حملہ مجھ پر کیا تو میں شاید اس سے بچاؤ نہ کر سکوں۔“ سیڈھانے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ آخر میں اس کے لہجے میں خوف اُٹ آیا تھا۔

”ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے۔۔۔ میرا خیال ہے کہ میں تمہارے بہت سی مدد کر سکتا ہوں۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
 ”وہ کیسے؟۔۔۔ جلدی بتاؤ۔“ سیڈھا چونک پڑا۔

”تم شاید میری روحانی پرواز والی قوت کو بھول رہے ہو۔ اگر تم مجھے کسی طرح اس جوشو سے روشناس کروا دو تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ وہ کہا جاتا ہے۔ اور کچھ دن تک اس کی نگرانی کر کے یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس کے پاس اور کون کونسی قوتیں ہیں۔“ میں نے پر جوش انداز میں کہا۔ سیڈھا کے چہرے پر اچانک جوش نظر آنے لگا۔
 ”اگر تم ایسا کر سکتے ہو۔۔۔ تو مہربانی فرما کر جلدی کرو۔ میں اس

منحوس سے انتقام لینے کے لیے بے چین ہوں۔“ سیڈھانے بے چینی سے کہا۔

”مگر میں اسے نہیں پہچانتا۔“ میں نے بے چارگی سے جواب دیا۔
 ”اچھا چلو۔۔ تم میرے ساتھ میرے قبیلے میں چلو۔ میں ابھی تم کو دور سے اس منحوس کی شناخت کر دیتا ہوں۔“ سیڈھانے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”اچھا چلو۔“ میں بھی جلدی سے تیار ہو گیا۔

اچانک سیڈھا کچھ سوچ کر بولا۔

”ٹھہرو!۔۔ مجھے پروہت جی کو بتانا ہوگا کہ میں کچھ دیر کے لیے قبیلے میں جا رہا ہوں۔ تم بس ایک منٹ ادھر بیٹھو۔۔ میں ابھی آیا۔“
 سیڈھا یہ کہہ کر جلدی سے جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔
 میرے لیے یہ لمحات بہت قیمتی تھے۔ میں پتہ چلا سکتا تھا کہ سیڈھا

جوالا پروہت سے کس طرح رابطہ کرتا ہے۔ لہذا میں نے جلدی سے آنکھیں بند کیں اور روحانی پرواز کرتا ہوا سیڈھا کے پیچھے چل دیا۔ وہ ایک طرف کو بنے درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھا جا رہا تھا۔ پھر عین درختوں کے جھنڈ کی جڑ میں پہنچ کر وہ اتنی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور کوئی منتر تیزی سے پڑھنے لگا۔ چند لمحوں بعد ہی سامنے ایک بڑے درخت کے تنے نے ایک انسانی چہرے کے شکل دھار لی۔

”کیا بات ہے سیڈھا!“ اسی انسانی چہرے نے پوچھا۔

”سرکار!۔۔۔ اس وقت زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں۔ مجھے اپنے مہمان کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے قبیلے میں جانا تھا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہو آؤ؟“ سیڈھانے بڑی عاجزی سے سوال کیا۔ اس چہرے نے کچھ جواب دینے سے پہلے ادھر ادھر آنکھیں گھما کر دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

”تم یہاں تنہا نہیں ہو۔ کوئی ہے جو ہم کو دیکھ رہا ہے۔۔۔ کون ہے وہ؟“ وہ چہرے جو یقیناً پروہت جو الا کا ہی تھا نے کسی حد تک غصیلے لہجے میں کہا۔

”مم مگ۔ مگر۔۔۔ سرکار ادھر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ میں اکیلا ہی ہوں۔“ سیڈھا فوراً گھبرا گیا۔

”نہیں۔۔۔ کوئی ہے۔۔۔ کوئی ضرور ہے۔۔۔ اچھا تم جاؤ۔۔۔ میں اس کا کھوج کھود ہی لگا لوں گا۔“ اسی چہرے نے پر خیال لہجے میں جواب دیا اور فوراً درخت کا تنہ اپنی اصل شکل میں آ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ پروہت جو الا کو میری موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔ لہذا میں نے فوراً اپنی جگہ حاضر ہونے میں عافیت جانی۔ تھوڑی دیر میں سیڈھا آ گیا۔

”چلو۔۔۔ آؤ چلیں۔“ اس نے مجھے چلنے کے لیے کہا۔

”ویسے تمہارا نام کیا ہے“ اچانک اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 اتنے دن ہو گئے مگر میں نے کبھی تم سے تمہارا نام ہی نہیں پوچھا۔“
 ”سلیمان!۔۔۔ مجھے سلیمان کہتے ہیں۔“ میں نے جلدی سے
 جواب دیا۔

”اچھا تو سلیمان!۔۔۔ کیا تم اپنی روحانی پرواز کے ذریعے میرے
 پاس موجود تھے جب میں جوالا پروہت سے بات کر رہا تھا۔“ سیڈھا
 نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ میں اپنے آپ کو چونکنے سے باز نہ رکھ
 سکا۔

”دیکھو!۔۔۔ اگر وہ تم ہی تھے تو گھبراؤ نہیں۔ میں سب سنبھال لوں
 گا مگر دیکھو دوست کہا ہے تو اعتماد بھی کرو۔“ سیڈھانے بڑے ٹھوس
 لہجے میں کہا۔

”ہاں۔۔۔ سیڈھا!۔۔۔ وہ میں ہی تھا۔ پروہت جوالا بہت بڑی

طاقت ہیں۔ اس لیے انہوں نے میری موجودگی کا احساس کر لیا۔
میں ان سے ملنے کا بہت خواہش مند ہوں۔ بس اس لیے اپنی خواہش
کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہارے پیچھے لگ گیا۔“ میں نے اقرار کرتے
ہوئے کہا۔

”تمہاری یہ طاقت بہت عجیب ہے۔ مگر بہت زبردست۔ تم جب
چاہو جس کے بھی چاہو پیچھے لگ کر بہت کچھ معلوم کر سکتے ہو۔ اب تو
تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔“ سیڈھانے ہنستے ہوئے کہا۔
”تم میرے دوست ہو۔ اس لیے تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت
نہیں۔ ہاں مگر شاید۔۔۔ جو الا پروہت مجھ سے ناراض ہوں۔“ میں
نے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

”تم ان کو نہیں جانتے۔ چونکہ اس میں میری یا تمہاری کوئی غلطی نہیں
ہے اس لیے مجھے معلوم ہے کہ وہ ہمیں معاف کر دیں گئے۔ بس آئندہ

قاتل پر چھائیں

ایک خوفناک کہانی جس میں ایک پراسرار
پر چھائیں ایک حویلی پر قبضہ کر لیتی ہے۔
جس کے خوف سے لوگ بھاگتے ہیں وہ
پر چھائیں کس چیز کی ہے اور لوگ کس طرح
سے اس کی بھینٹ چڑھتے ہیں یہ جاننے کیلئے

ابھی پڑھئے ”اردو رسالہ“ پر

تم میرا پیچھا مت کرنا۔“ سیڈھانے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔
اس کے اطمینان پر میں بھی اس پریشانی کو اپنے دماغ سے نکال باہر
کیا۔

ایک اونچے سے ٹیلے پر پہنچ کر سیڈھانے مجھے اپنا ہاتھ پکڑنے کو کہا۔
میں نے جیسے ہی اس کا ہاتھ پکڑا۔ سیڈھانے کوئی منتر پڑھ کر زمیں پر
پھونکا۔ چند ہی لمحوں میں ہم دونوں آسمان کی طرف بلند ہو رہے
تھے۔ میں نے چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر کے اپنی روحانی آنکھ
سے دیکھا کہ ایک بہت بڑا پرندہ ہمیں اپنی پروں کے درمیان اپنی
پشت پر رکھے اڑا جا رہا تھا۔ پھر میں نے آنکھیں کھول کر سیڈھاسے
پوچھا۔

”یہ پرندہ کون ہے اور تم نے اسے کس طرح اپنا غلام بنایا؟“
”کونسا پرندہ؟“ سیڈھانے چونک کر پوچھا ”اچھا یہ جو ہمیں اٹھا کر

لے جا رہا ہے۔ یہ پرندہ نہیں ہے۔ میرا ایک بیر ہے۔ اسے توڑ چھا کہتے ہیں۔ بڑی مشکل سے میں نے اسے قابو میں کیا ہے۔ اس کی خوبی ہے کہ یہ کسی بھی پرندے یا جانور کا روپ دھار سکتا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اسے آنکھوں سے اوجھل رکھا تھا تا کہ تم ڈرنہ جاؤ مگر لگتا ہے کہ تم اپنی روحانی قوت سے اسے دیکھ سکتے ہو۔“ سیڈھانے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ آخر میں اس کے لہجے میں مرعوبیت نمایاں تھی۔

”ہاں!۔۔۔ میں اسے اپنی روحانی آنکھ سے دیکھ سکتا ہوں۔ مگر یہ بہت زبردست بیر ہے۔“ میں نے تحسین آمیز لہجے میں اس کی تعریف کی۔

”اگر تم نے جوشو کے خلاف میری مدد کی تو میں ایسا ایک بیر تمہیں تحفے میں دوں گا۔“ سیڈھانے فراخ دلانہ لہجے میں کہا۔

”شکریہ“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”مگر میری دوستی کسی لالچ کے لیے نہیں ہے۔“

”تم کمال کے بندے ہو۔“ سیڈھانے آنکھیں گھوماتے ہوئے کہا۔ ”لوگ تو شاید اس بیر کے لیے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا دیں۔ مگر تم اسے لینے سے ہچکچا رہے ہو۔“

”لے لوں گا۔۔۔ مگر ابھی نہیں۔ اس وقت میرے تمام مدد بغیر کسی لالچ کے لیے ہے۔ اس لیے اس کو لالچ سے پاک ہی رہنے دو۔“

میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ میرے لہجے سے سیڈھا میرے احساسات کو سمجھ گیا اور پھر اس نے کوئی اور بات نہیں کی۔ دراصل جب سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ ڈوسائی ان بیروں کی انسانی گوشت اور خون کھلاتا تھا، اس وقت سے میرے اندر ان بیروں کو اپنا غلام بنانے کی خواہش دم توڑ گئی تھی۔ میں ایسی کوئی قوت حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا

جو مجھے مجرمانہ اقدامات کرنے پر مجبور کر دے۔
 کچھ دیر سمندر پر سفر کرنے کے بعد ہم ایک خشکی کے علاقے میں پہنچ گئے۔ پھر ایک جگہ اس اندیکھے پرندے نے ہمیں زمین پر اتار دیا۔
 ”آؤ سلیمان!۔۔۔ یہاں سے میرا قبیلہ قریب ہی ہے۔“ سیڈھا نے مجھے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر باقی کا سفر ہم نے پیدل ہی طے کیا۔ آبادی کے آثار شروع ہوتے ہی ہم محتاط ہو گئے۔
 قبیلے میں داخل ہوتے ہی کچھ جنگلیوں نے سیڈھا کو پہچان لیا۔ مگر سیڈھا نے ان کو دور سے ہی ہاتھ ہلا کر قریب آنے سے روک دیا۔
 چلتے چلتے ہم ایک بازار نما راستے میں پہنچ گئے۔ کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد ایک مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے سیڈھا چونک پڑا۔ اور پھر اس کے چہرے پر سخت ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ وہاں مجمع میں ایک ادھیڑ عمر آدمی جو اپنے حلیے سے کافی مالدار لگ رہا تھا ایک کرسی پر

براجمان تھا۔ اس کے ساتھ دو ملازم کھڑے تھے جو چیخ چیخ کر لوگوں کو کچھ کہہ رہے تھے۔

”یہ ہے وہ منحوس جوشو۔“ سیڈھانے منہ بناتے ہوئے کہا۔
 ”ٹھیک ہے۔۔۔ میں اسے جان گیا ہوں۔ چلو واپس چلیں۔“ میں نے اس کی ناگواری سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ پھر ہم واپسی کے لیے چل پڑے۔ جب ہم قبیلے سے باہر نکل آئے تو پھر ایک بار پھر سیڈھانے اپنے بیرے کو بلایا۔ مگر اس بار وہ آنکھوں سے اوجھل نہ تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک تین فٹ کے عجیب سے بیرے نے ایک پرندے کی شکل اختیار کر لی۔ اور پھر وہ ہمیں لیے ہوئے ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ چند منٹ بعد ہی ہم سمندر سے ہوتے ہوئے واپس اپنی جھونپڑی کے پاس ٹیلے پر موجود تھے۔ جھونپڑی میں واپس پہنچ کر میں نے اتنی پالتی ماری اور پھر روحانی پرواز کرتے ہوئے واپس

اسی قبیلے میں جا پہنچا۔ جوشوا بھی تک اپنے آدمیوں کے ساتھ وہی موجود تھا۔ میں اپنی جگہ حاضر ہو کر سیڈھا کو اس کے بارے میں بتانے لگا۔

”ٹھیک ہے۔ تم اس کے پیچھا جاری رکھو۔ وہ تقریباً سورج ڈھلے ہی جائے گا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ جلدی بھی چلا جائے اگر اس کو اس کے مطلب کے مزدور جلدی مل گئے تو۔“ سیڈھانے کہا اور پھر جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے پھر اپنی روحانی پرواز شروع کر دی اور اس قبیلے کے گلی کوچوں سے اپنے آپ کو روشناس کرانے لگا۔ میں کچھ کچھ وقت کے بعد جوشوا پر بھی ایک نظر ڈال لیتا تھا کہ کہیں وہ چل نہ پڑے۔ لیکن وہ دن ڈھلے ہی اٹھا۔ پھر وہ اور اس کے غلام ایک بڑے مزدوروں کے مجمع کو لیے ہوئے قبیلے سے باہر کی طرف چل

دیئے۔ میں ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ چلنے کے بعد وہ عین جنگل کے بیچ بیچ بنے ایک جھونپڑے میں پہنچ گئے۔ وہ اتنا بڑا جھونپڑا تھا کہ سارے کے سارے مزدور آسانی سے اس کے اندر چلے گئے۔ اب صرف جوشوا اور اس کے دو ملازم ہی باہر رہ گئے تھے۔ جوشوا نے کچھ دیر تک ان سے کچھ بات کی اور پھر انہیں جھونپڑے کے دروازے پر پہرہ دیتے چھوڑ کر خود جنگل میں ایک طرف کوچل دیا۔ میں اس کے پیچھے ہی تھا۔ بامشکل سو قدم چل کر اس نے ایک درخت کی جڑ میں زور سے پاؤں مارا۔ اگلے ہی لمحے درخت کا تناکی دروازے کی طرح کھل گیا۔ جوشوا اس کھلے ہوئے تنے میں گھس گیا۔ میں نے بھی اس میں گھسنے میں جلدی کی۔ اندر اندھیرا تھا مگر جیسے ہی کھلا ہوتا بند ہوا ایک دم سے روشنی پھیل گئی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہم ایک بہت کشادہ سے جھونپڑے میں موجود تھے۔ ہمارے

بالکل ساتھ وہ دروازہ موجود تھا جو شاید ہمارے اندر آنے کا سبب بنا تھا۔ جوشو تیزی سے چلتا ہوا ایک دیوار کی طرف بڑھا جہاں پر ایک الماری لٹکی ہوئی تھی۔ اس نے اس الماری کا ایک پٹ کھولا اور پھر اندر سے ایک آئینہ نکال لیا۔ اس آئینے کو اپنے سامنے رکھ کر وہ کچھ منتر پڑھنے لگا۔ اگلے ہی لمحے ایک ناگواری بوسارے جھونپڑے میں پھیل گئی اور اس آئینے میں ایک انتہائی مکروہ سی مخلوق نظر آنے لگی۔ اس مکروہ مخلوق نے کسی اجنبی سی زبان میں جوشو سے کچھ باتیں کیں اور پھر وہ جس طرح ظاہر ہوئی تھی اسی طرح کہیں گم ہو گئی۔ وہ آئینہ اب ایک نارمل آئینہ بن چکا تھا۔ جوشو نے اسے ایک طرف پڑی ایک چارپائی کی طرف اچھالا اور پھر خود ایک چھوٹے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا مگر یہ دیکھ کر واپس آ گیا کہ وہ نہانے لگا تھا۔ جب تک وہ نہاتا رہا۔۔۔ میں اس کے اس عجیب و غریب گھر کی

تلاشی لیتا رہا۔ اس کے گھر میں کوئی خاص چیز نہ تھا۔ بس عام استعمال کی چیزیں تھیں۔

نہا دھو کر وہ ایک طرف رکھے ہوئے پھل کھانے لگا۔ میں تقریباً بیس منٹ تک اسے مختلف کام کرتے دیکھتا رہا۔ وہ کھانا کھانے کے بعد کمرے میں موجود چار پائی پر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ میں اس وقت تک وہاں موجود رہا جب تک کہ وہ سو نہیں گیا۔ پھر جب اس کے خرائے گونجنے لگے تو میں نے واپسی کی ٹھانی۔ مگر یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ میری روح اس تنا نما جھونپڑی سے باہر نہ آ پار ہی تھی۔ عموماً میری روح دیوروں اور درختوں کے درمیان سے آرام سے گزر جاتی تھی مگر یہ کچھ عجیب سی جگہ تھی کہ میں باوجود کوشش کے ان کی دیواروں سے نہ گزر پار ہا تھا۔ یقیناً یہ کوئی جادوئی جگہ تھی اور میں شاید یہاں پر قید ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر اسی پریشانی میں، میں سوچتا رہا اور حیرت

سے وہاں کی دیواروں سے نکلنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر تھک ہار کر میں اس دروازے کی طرف متوجہ ہوا جہاں سے جوشوا اندر داخل ہوا تھا۔ اس بات کا اچھی طرح اطمینان کر کے کہ جوشوا کا سورہا ہے۔ میں نے ارتکا زتوجہ کی مدد سے آہستہ سے وہ دروازہ کھولا۔ دوسری طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ بلا آخر تمام خطرات کو بالائے طاق رکھ کر میں اس دروازے میں گھس گیا۔ اندر اندھیرا ہی تھا مگر جیسے ہی میرے پیچھے اس کمرے کا دروازہ بند ہوا ایک دم سے میں نے اپنے آپ کو اسی درخت کے تنے میں موجود پایا جہاں سے جوشوا اندر گیا تھا۔ یہ بہت ہی عجیب سا تجربہ مجھے یہاں حاصل ہوا تھا۔ میری معلومات کی حد تک یہ واحد جگہ تھی جہاں میری روحانی پرواز محدود ہو گئی تھی۔ بہر حال اس درخت کا محل وقوع اچھی طرح ذہن نشین کر کے میں چشم زدن میں اپنے جگہ حاضر ہو گیا۔

کچھ دیر انتظار کرنے پر سیڈھا بھی آ گیا۔
 ”میں پہلے بھی آیا تھا۔ کھانا لے کر مگر تم اپنے عمل میں مصروف تھے۔“
 سیڈھا نے مسکراہٹے ہوئے بتایا۔ اب وہ میرے ساتھ کافی بے تکلف
 ہو گیا تھا۔

”اچھا!۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں وہ جوشو کا پیچھا کر رہا تھا۔“ میں نے اسے
 بتایا۔

”کیا پتہ چلا؟“ سیڈھا نے تجسس سے پوچھا۔ اور جواب میں میں
 نے ساری روداد سنا دی۔

”ہوں۔۔۔ تو اس کا مطلب ہے وہ اسی تے میں رہتا ہے اسی لیے
 کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا۔ وہ آئینہ درحقیقت ایک جادوئی آئینہ ہے
 جسے کسی کے ساتھ بات چیت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس نے
 یقیناً کسی سے بات کی ہوگی۔“ سیڈھا نے اپنا اندازہ لگایا۔

”ہاں!۔۔ چونکہ میں تمہارے قبیلے کے زبان نہیں جانتا اس لیے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سمجھ نہیں سکا۔“ میں نے بیچارگی سے کہا۔

”ہاں میں سمجھ سکتا ہوں۔۔۔ مگر اتنا بھی بہت ہے۔ میرا خیال ہے اس سے دو دو ہاتھ کرنے کا وقت آگیا ہے۔“ سیڈھانے پر خیال انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔۔۔ میرے خیال سے تو پہلے اس کی طاقتوں کے بارے میں جان لینا بہتر ہوگا۔“ میں نے رائے دی۔

”جو ہوگا دیکھا جائے گا۔۔۔ جب سے میں نے اسے دیکھا ہے میرے تن بدن میں آگ لگی ہوئی ہے۔ مجھے اپنے آپ پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ اب تو اس کا ٹھکانہ بھی معلوم ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں اب دیر کرنا مناسب نہ ہوگا۔“ اس نے تیز لہجے میں کہا۔

”چلو پھر چلتے ہیں۔“ میں نے جلدی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا
مگر اس نے جلدی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
”نہیں دوست۔۔۔ یہ میرا انتقام ہے اور میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ بس
تم مجھے اس قبیلے سے اس کا راستہ سمجھا دو۔“ سیڈھانے کہا۔
”دیکھو۔۔۔“ میں نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اس نے مجھے ٹوک
دیا۔

”دوست!۔۔۔ میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ ویسے بھی
تمہارے وہاں موجود ہونے سے وہ تمہاری کمزوری کا فائدہ بھی اٹھا
سکتا ہے۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔ مگر ہو سکتا ہے کہ تمہاری
حفاظت نہ کر سکوں۔ اس لیے اگر تم مجھے مضبوط دیکھنا چاہتے ہو تو ضد
مت کرو۔“ سیڈھانے مضبوط لہجے میں کہا۔ میرے لیے اب
مزید اصرار کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے میں نے اسے زمین پر نقشہ بنا

کر راستہ سمجھا دیا۔ میں چاہتا تو اسے اپنی روحانی ارتکا زتوجہ سے بھی وہاں پہنچا سکتا تھا مگر مجھے پتہ نہیں کیوں ایسا کرنا اپنی طاقت کا رعب ڈالنے کے مترادف محسوس ہوا۔ بس اس لیے میں نے سوچا کہ اسے جگہ سمجھا دوں۔ ویسے بھی وہ اس بڑے سے جھونپڑے کے بارے میں پہلے سے ہی جانتا تھا۔ اس سے آگے کا راستہ اور بھی آسان تھا۔ کھانے کھا کر سیڈھا جوشو کو سبق سیکھانے کے لیے چل دیا۔ میں بظاہر تو اس جھونپڑے میں ہی رہ گیا مگر مجھے قرار کہا تھا۔ بس فوراً روحانی پرواز کی اور اس کے ساتھ ساتھ ہولیا۔

کچھ دیر میں ہی سیڈھا اسی تناور درخت کے سامنے کھڑا تھا جہاں میں جوشو کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے پہلے چاروں طرف سے اس درخت کا جائزہ لیا اور پھر اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر کوئی منتر پڑھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی ایک درجن کے قریب بیرے

اچانک کہیں سے نمودار ہوئے اور تیزی سے اس درخت کو کھانے لگے۔ سیڈھا کچھ دور کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ چند منٹوں میں ہی ان بیروں نے تقریباً آدھا تنا کھا لیا اور اب درخت جو کافی پھیلا ہوا تھا جھولے لینے لگا۔ تاہم ابھی بھی وہ کافی مضبوط تھا۔ پھر اچانک ایک تیز گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک طرف سے ایک انتہائی بد صورت ہاتھی نما کوئی جانور برآمد ہوا۔ اور اس نے آنا فانا ان بیروں کو کھانا شروع کر دیا۔ چند لمحوں بعد وہاں ان بیروں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ سیڈھا حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس پر مزید ظلم یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تنا پھر سے بھر گیا اور اب ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہاں پر کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ بس وہ ہاتھی نما جانور کھڑا چنگاڑ رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس نے سیڈھا کو کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ سیڈھا کوئی اور منتر پڑھتا۔ ایک دم سے اس تنے کا دروازہ کھلا اور

جوشو باہر نکل آیا۔

”کون ہو تم؟۔۔۔ اور تم نے مجھ پر حملہ کرنے کی جرات کیسے کی؟“

جوشو کے لہجے میں غضب کا غصہ تھا۔

”جوشو!۔۔۔ اچھا ہوا تو خود ہی باہر آ گیا۔۔۔ دیکھ پہچان مجھے۔۔۔ تو

نے میرے سارے خاندان والوں کو مار دیا۔ آج تیرا روز حساب ہے۔ اچھی طرح پہچان لے مجھے اس سے پہلے کہ میں تجھے موت کے گھاٹ اتار دو۔“ سیڈھا جو اسے دیکھتے ہی غصے سے لال پیلا ہو

رہا تھا، نے دھاڑتے ہوئے جواب دیا۔

پہلے تو جوشو حیرت سے اسے دیکھتا رہا کہ شاید اتنی جرات سے اس کے

سامنے کوئی نہ بولا تھا مگر پھر اس پر غصے کا غلبہ آ گیا۔

”میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو مگر جو کوئی بھی ہو۔ اپنی حد سے گزر چکے

ہو۔ اس لیے مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ اس بار جوشو کے لہجے میں

غور نمایاں تھا۔

سیڈھانے بجائے کوئی جواب دینے کے جلدی سے ایک منتر پڑھا اور اس کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ کم از کم ایک درجن کے قریب بیر کہیں سے نمودار ہوئے اور اس ہاتھی نما جانور کو چمٹ گئے جو وہاں کھڑا چنگاڑ رہا تھا۔ میں نے ان بیروں کو پہچان لیا۔ یہ ڈوسائی کی بیر تھے یعنی گوشت خور۔ اور پھر اس سے پہلے کہ جوشو کچھ سمجھتا۔ وہ ہاتھ نما جانور چیختا چنگاڑتا جنگل کی اندرونی طرف بھاگ پڑا۔ جوشو حیرت سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید ان بیروں کو دیکھ نہیں پایا تھا۔

”اچھا تو تم بھی کچھ جنتر منتر جانتے ہو۔ چلو اب سنہلو“ یہ کہتے ہی جوشو نے کچھ پڑھ کر ہوا میں پھونکا اور میں نے دیکھا کہ اس کی پھونک سے لاتعداد چھوٹے چھوٹے اڑنے والے کیڑے نکلے۔ وہ سائز میں مکھی سے کچھ بڑے تھے۔ اور وہ تیزی سے سیڈھا پر جھپٹے۔ سیڈھا

شاید ان کو دیکھ نہیں پایا تھا اس لیے اس افتاد کا درست اندازہ نہ کر سکا۔ ان کیڑوں نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا اور بری طرح کاٹنے لگے۔ سیڈھا ایک لمحے کے لیے تو پریشان ہو گیا مگر اگلے ہی لمحے اس نے کچھ پڑھ کر زور سے اپنے ارد گرد پھونکا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ارد گرد نیلی روشنی کا ایک حصار قائم ہو گیا تھا۔ اب وہ اڑنے والے کیڑے اس نیلی روشنی سے ٹکرا کر مر رہے تھے مگر سیڈھا تک نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ چند لمحوں میں وہ سارے کے سارے کیڑے مر چکے تھے۔

”اب میری باری ہے۔“ سیڈھا نے چیخ کر کہا اور پھر وہی منتر پڑھ کر زمیں پر پھونکا جس سے اس نے ڈوسائی کے بیروں کو بلایا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک درجن کے قریب بیرے اچانک نمودار ہوئے اور جوشو پر ٹوٹ پڑے۔ مگر اگلے لمحے میرے اور سیڈھا دونوں

کے لیے حیران کن تھا کیونکہ وہ بیر جیسے ہی جوشو پر حملہ آوار ہوئے، وہ اس کے بیچ و بیچ گزر کے آگے بڑھ گئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے جوشو کا جسم دھویں کا بنا ہوا ہو۔ ڈوسائی کے بیر بے بسی سے ادھر ادھر منہ مار رہے تھے۔

”ہاں بھی!۔۔۔ چلو اپنا وار۔۔۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔“ جوشو نے تند و تیز لہجے میں کہا۔ پتہ نہیں وہ واقعی ان بیروں کو دیکھ نہیں پایا تھا یا پھر سیڈھا کا مذاق اڑا رہا تھا۔

بہر حال اس کی بات سن کر سیڈھا غصے سے بڑھک اٹھا۔ اس نے فوراً ایک منتر پڑھ کر اس کی طرف پھونکا اور تیز آگ کے شعلوں نے جوشو کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مگر اگلہ لمحہ حیرت انگیز تھا۔ جوشو بجائے چیخنے کے بڑے خوشگوار موڈ میں گنگنا رہا تھا جیسے وہ آگ سے بھلی لگ رہی ہو۔ اور واقعی وہ آگ اسے جلانے میں ناکام تھی۔ یہ سب کچھ سیڈھا

کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ ادھر میں بھی بڑی تیزی سے اس
 سچویشن پر غور کر رہا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کے
 کوندے کی طرح آیا۔۔۔ کہیں جوشو بھی کسی اور جگہ موجود ہوتے
 ہوئے یہ سب کچھ تو نہیں کر رہا؟ اس خیال کے آتے ہی میں نے
 تیزی سے جوشو کے پاس موجود درخت کی جڑ پر ارتکا زتوجہ سے وزن
 ڈالا۔ فوراً دروازہ کھل گیا۔ اور اگلے ہی لمحے میں اندر تھا۔ میں نے
 اس بات پر غور نہیں کیا کہ کسی نے اس طرح دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا
 یا نہیں۔ جیسے ہی میں اندر پہنچا۔ دیکھا کہ سامنے جوشو اتنی پالٹی
 مارے زمین پر آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اب میں اس کی ساری
 کارستانی سمجھ گیا۔ وہ کسی قوت کے ذریعے اپنے عکس کے ذریعے لڑ رہا
 تھا اس لیے سیڈھا کا کوئی بھی عمل اس پر کارگر نہیں تھا۔ ابھی میں اس کا
 جائزہ ہی لے رہا تھا کہ میں نے باہر سے سیڈھا کے چیخنے کے آواز

سنی۔ میں فوراً ہار نکلا۔ دروازہ کھلنے کے آواز پر جوشو نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں حیرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یقیناً وہ مجھے نہیں دیکھ پارہا تھا۔ مگر دوسری طرف سیڈھا آگ کے شعلوں میں بری طرح جل رہا تھا۔ اب اس کے گرد نیلی روشنی کا حصار بھی نہیں تھا۔ شاید اس بار جوشو کا وار چل گیا تھا۔ میں اپنے دوست کو اس طرح جلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لہذا اب میرا مداخلت کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً اپنی ارتکا زتوجہ سے اس کی آگ کو بجھانے کی کوشش کی اور میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔ آگ بجھ گئی مگر سیڈھا بری طرح جل چکا تھا۔ جوشو حیرت کا بت بنا ادھر ادھر ہوا میں گھور رہا تھا۔ میں تیزی سے فیصلہ کر رہا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ جوشو کو ٹھکانے لگانا چاہیے یا پھر سیڈھا کو نکال کر اس کی جان بچانے کے جتن کرنے چاہیے۔ آخر کار فیصلہ سیڈھا کی طرف ہوا۔ اور میں اسے

ارتکا زتوجہ سے اٹھا کر چشم زدن میں اپنے جزیرے والے جھونپڑے
 میں لے آیا۔ پھر آنکھیں کھول کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ
 بری طرح جلا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ درد سے کراہتے ہوئے بولا۔
 ”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ اس الماری میں جلے کی دوا ہے۔“ اس کا اشارہ
 ایک طرف دیوار کے ساتھ کھڑی الماری کی طرف تھا۔ میں نے
 بھاگ کر اس الماری کو کھولا۔ وہاں بہت ساری دوائیں پڑی ہوئیں
 تھیں۔

”کون سی؟“ میں نے چیخ کر پوچھا۔

”نی۔۔ نیلے رنگ کی ڈبیا۔“ سیڈھانے اسی طرح کراہتے ہوئے
 کہا۔

میں نے جلدی سے ایک نیلی ڈبیا اٹھائی جو وہاں پاس ہی پڑی تھی اور
 بھاگتا ہوا سیڈھا کے قریب پہنچا۔ پھر جلدی جلدی اس کے اندر موجود

مرہم اس کے جلے ہوئے جسم پر لگانے لگا۔ وہ کافی بڑی ڈبیا تھی مگر پھر بھی اس کے جسم پر لگاتے لگاتے وہ ختم ہو گئی۔ مگر اب سیڈھا کی طبیعت کافی بہتر لگ رہی تھی۔

”ادھر کونے میں جو بکس پڑا ہے۔ اس میں اور بھی ڈبیاں ہیں۔“ اس نے ایک طرف پڑے ٹرنک کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے آگے بڑھ کر جلدی سے اسے کھولا۔ اس میں واقع کئی اقسام کی دوائیں پڑی ہوئیں تھیں۔ ان میں ہی نیلی ڈبیاں بھی تھیں۔ میں نے ایک ڈبیا اٹھائی اور سیڈھا کے جسم کے باقی حصوں پر بھی ملنے لگا۔ کچھ دیر میں ہی اس کا سارا جسم اس مرہم سے ڈھکا ہوا تھا۔ سیڈھا نے آنکھیں بند کر لیں اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ کچھ دیر تک تو میں اسے دیکھتا رہا مگر پھر تشویش کے ہاتھوں مجبور ہو کر بول پڑا۔

”سیڈھا!۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو؟“

اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔
 ”ہاں دوست!۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔ اور تمہارا احسان مند بھی۔
 آج تم نے اپنی قوت سے میری جان بچائی۔ میں جتنا بھی تمہارا
 شکریہ ادا کروں۔۔۔ اتنا کم ہے۔“ اس کے لہجے میں تشکر نمایاں
 تھا۔

”ایسی بات مت کرو۔۔۔ دوست ہونے کے ناطے یہ تو میرا فرض
 تھا۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”تم عظیم ہو۔۔۔ بلاشبہ تم عظیم ہو۔۔۔ اس مرہم میں نیند کی دوا ہے
 اس لیے مجھے معاف کرنا۔ مجھ پر نیند کا غلبہ بہت تیزی سے ہو۔ رہا
 ہے۔“ سیڈھانے اتنا ہی کہا اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔
 میں اس کو سوتا چھوڑ کر جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ ویسے بھی جھونپڑی
 میں جلنے کی سڑاند دماغ کو بھاری کیے جا رہی تھی۔ پھر کچھ دیر تک چہل

قدی کر کے ایک مناسب جگہ پر میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔
 جھونپڑی سے باہر سونا میرا معمول تھا۔ مجھے تازہ ہوا میں سونا ہمیشہ اچھا
 لگتا تھا۔ سونے سے پہلے میں نے احتیاط کے طور پر اپنی روحانی پرواز
 سے اس جزیرے کا ایک چکر لگایا۔ اور پھر جوشو کے تنا نما گھر کا رخ
 کیا۔ وہاں اب کوئی بھی نہیں تھا۔ میں بے دھڑک اس تنے کے اندر
 بھی گیا مگر وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ میں نے اس آئینہ کو تلاش کرنے کے
 کوشش کی جس سے جوشو نے کسی سے باتیں کی تھی مگر وہ بھی وہاں
 موجود نہیں تھا۔ یقیناً جوشو نے اپنی اس رہائش کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔ مگر
 مجھ سے چھپنا مشکل تھا۔ میں نے فوراً آسمان کی طرف چھلانگ
 لگائی۔ اور مناسب فاصلے پر پہنچ کر اپنی تیز روحانی آنکھوں سے اسے
 تلاش کرنے لگا۔ کم و بیش سارے افریقہ کو میں نے چھان مارا مگر وہ
 کہیں نظر نہ آیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ پھر کسی اور تنے نما گھر میں چھپ گیا

ہوگا۔ یقیناً وہ میری روحانی نگاہ سے بھی اوجھل تھا۔ بہر حال اس کی تلاش ختم کر کے میں اپنی جگہ حاضر ہوا اور پھر نیند کی وادی میں کھو گیا۔ اگلی صبح میں معمول سے کچھ پہلے ہی اٹھ گیا۔ اندر جھونپڑی میں گیا تو سیڈھا ابھی تک سو رہا تھا۔ آج پہلے بار میں نے اس کے لیے ناشتے کا بندوبست کیا۔ جب میں پھل وغیرہ لے کر واپس آیا تو وہ بھی اٹھ گیا تھا۔

”دوست!۔۔۔ تم نے میری زندگی بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔“ اس نے مجھے دیکھتے ہی معمولیت سے کہا۔

”دوست بھی کہتے ہو اور غیروں جیسی بات بھی کرتے ہو۔۔۔ بس۔۔۔ بس۔۔۔ اب دوبارہ میں تمہارے منہ سے ایسی کوئی بات نہ سنوں۔۔۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کل ہمارے ہاتھوں سے جوشونج گیا۔“

میں نے جلدی سے کہا اور پھر جان بوجھ کر اس کا دھیان جوشونج کی طرف

کر دیا۔

”ہاں!۔۔۔ وہ میری توقع سے کہیں زیادہ طاقت ور نکلا۔ تم ٹھیک کہتے تھے۔ مجھے اس کی طاقت کا اندازہ کرنے بعد ہی اس پر حملہ کرنا چاہیے تھا۔“ یہ کہہ کر اس نے میرے ساتھ ناشتا شروع کر دیا۔
 ”ویسے تمہاری قوت بھی بہت زبردست ہے۔ مجھے تو پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ تم بھی کمال ہو۔“ ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے پھر میری تعریف شروع کر دی۔

”ہوں!۔۔۔ مگر تمہارے سامنے کچھ نہیں“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”شاید!۔۔۔ تم مجھ سے بھی زیادہ طاقت رکھتے ہو۔ مگر ظاہر نہیں کرتے ہو۔“ سیڈھانے پر خیال انداز میں کہا۔ پھر اچانک بولا۔
 ”مجھے پروہت جی کو اس واقعہ کی اطلاع کرنا ہوگی۔ میرا خیال تھا کہ

میں اسے آسانی سے قابو کر لوں گا۔ مگر اب اس حالت میں مجھے ہر صورت میں ان کو ساری صورتحال سے باخبر کرنا ہوگا۔ اور۔۔۔ مہربانی کر کے تم اس بار میرا پیچھا نہ کرنا۔“ یہ کہہ کر وہ جھونپڑی سے باہر جانے لگا۔ آخر میں اس نے تیز نظروں سے مجھے گھورا تھا۔ وہ واقعی جسمانی طور پر بہت مضبوط واقع ہوا تھا۔ ورنہ اتنا جلنے کے باوجود اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہ ہو پاتا۔ بہر حال اس بار میں نے اس کا پیچھا نہیں کیا کیونکہ جوا لا پروہت میری موجودگی کا احساس کر لیتا تھا۔

کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ اور کہنے لگا۔
 ”پروہت جی نے بلایا ہے۔ تم بھی چلو۔۔۔ وہ تم سے بھی ملنا چاہتے ہیں۔“ سیڈھانے کہا اور ایک طرف الماری سے اپنا لباس نکالنے لگا۔ میں اس کی بات پر چونک پڑا۔

جوالا پروہت سے ہی ملنے کے لیے تو میں بے قرار تھا۔ اور ایک دم وہ وقت آ گیا۔ یہی وہ شخص تھا جو مجھے طالش سرکار کے مقابل لانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ مگر ابھی تو شاید ملاقات ہی تھی۔ پتہ نہیں اس کی نظروں میں آنے کے لیے اور اس سے اپنے مطلب کا علم حاصل کرنے کے لیے کون کونسے جتن کرنے پڑنے تھے۔ یہی سب کچھ سوچتے سوچتے میں سیڈھا کے ساتھ باہر کی طرف چل دیا۔ اس بار سیڈھا نے جنگل کی طرف جانے کی بجائے جھونپڑی کے پچھلے سمت قدم بڑھا دیے۔ میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ ابھی ہم بمشکل دس قدم جھونپڑے سے دور آئے ہوئے کہ اس نے مجھے ہاتھ پکڑنے کو کہا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے تیزی سے ایک طرف کو بڑھنا شروع کر دیا۔ اس کا انداز تقریباً بھاگنے والا ہی تھا۔ مجبوراً میں بھی اس کے ساتھ ہی بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ مگر اگلے لمحہ بڑا حیرت انگیز تھا۔ اس

نے بڑی تیزی سے دو درختوں کے بیچ کھڑی ایک چھوٹی سے مگر سپاٹ چٹان کو ٹکرا مار دی۔ یہ سب کچھ اتنا جلدی ہوا کہ میں سنبھل بھی نہ سکا۔ مگر جیسے ہی ہم دونوں اس چٹان سے ٹکرائے ایک چھٹکا ہوا اور ہم ایک وادی جنتِ نظیر میں موجود تھے۔ سیڈھا مجھے حیران دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

”پروہت جی کہاں رہتے ہیں؟۔۔۔ کوئی نہیں جانتا۔۔۔ بس یہ ہی ایک راستہ ہے جو اس وقت کھلتا ہے جب وہ کسی کو بلاتے ہیں۔ اس کی تفصیل اگر میں تمہیں پہلے بتانے کی کوشش کرتا تو شاید شام یہی ہو جاتی۔ اس لیے میں نے سوچا کہ خود ہی دیکھ لو تو بہتر ہے۔“ سیڈھا کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔ میں نے بس سر ہلانے پر ہی اکتفا کی۔

پھر وہ مجھے لے کر ایک طرف چل دیا۔ ابھی ہم مشکل سے سو قد ہی

چلیں ہو گئے کہ سامنے دور ایک خوبصورت سامکان نظر آیا۔ وہ پکی اینٹوں سے بنا کوئی چھوٹا سے قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ابھی ہم چند قدم دور ہی تھے کہ دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔ ہم بھی ر کے بغیر اندر چلے دیے۔ دروازے کے اندر ایک کشادہ صحن تھا اور وہاں کا ماحول بڑا ہی رنگین تھا۔ بے شمار خوبصورت لڑکیاں مختصر لباس میں ادھر سے ادھر بیٹھی مختلف کاموں میں مصروف تھیں۔ ہم ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے سیدھے آگے بڑھ گئے۔ سامنے ایک دروازہ تھا جسے سیڈھا نے آگے بڑھ کر کھولا۔ یہ ایک خوبصورت کمرہ تھا جہاں بڑا ہی بیش قیمت سامان رکھا ہوا تھا۔ سیڈھا نے مجھے ایک صوفہ نما کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ایک اسی طرح کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ابھی ہمیں بیٹھے کچھ منٹ ہی ہوئے تھے کہ ایک اندرونی دروازے کے کھلنے کی آواز

سنائی دی۔ میں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ ایک بوڑھا مگر تندرست دکھائی دینے والا ایک شخص اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کی چال میں ٹھہرو تھا۔ پہلی چیز جو اس کی شخصیت میں میں نے نوٹ کی وہ اس کی آنکھیں تھیں۔ بہت ہی تیز اور چمکدار۔

اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر سیڈھا احتراماً کھڑا ہو گیا۔ میں بھی جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

”ہم پروہت جی کی شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں شرف ملاقات

بخشا۔“ سیڈھانے بڑی عاجزی سے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”بیٹھو!۔۔۔ اور مجھ سے اپنے دوست کا تعارف کروا۔“ جوالا

پروہت نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

”یہ میرا دوست ہے۔ اس کا نام سلیمان ہے۔ یہی ہے وہ جس نے

میری جان بچائی۔“ سیڈھانے جلدی سے میرا تعارف کرواتے

ہوئے کہا۔

”بہت خوب۔۔۔۔۔ جوشو سے بچ نکلنا اتنا آسان نہ تھا۔ بھی تم تو خوب طاقت رکھتے ہو۔“ جوالا پروہت کی آنکھوں میں مکاری جھلک رہی تھی۔

”پروہت جی۔۔۔ میں کیا اور میری اوقات کیا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ بھاگنے میں تیز ہوں۔“ میں نے عاجزی سے جواب دیا۔ ”تاہم مجھے طاقتور بننے کی بڑی جستجو ہے۔ اگر آپ مجھے اپنی شاگردی میں لے لیں تو یہ میرے لیے بہت بڑی اعزاز کی بات ہوگی۔“ میں فوراً ہی اپنے مدعا پر آگیا۔

جوالا پروہت نے چند لمحوں تک مجھے دیکھا پھر بولا۔

”اتنی جلدی اچھی نہیں ہوتی سلیمان!۔۔۔۔۔ پہلے تو مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ کون ہو کہاں سے آئے ہو۔“ اس بار بھی جوالا پروہت

کے لہجے میں عیاری نمایاں تھی۔

”میرا خیال ہے کہ عظیم جوالا پروہت کے لیے یہ جان لینا کوئی بڑی بات تو نہیں کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں۔“ میں نے بھی اس بار کچھ سنبھالتے ہوئے ٹال منول سے کام لیا۔ مگر میرے اس جواب پر جوالا پروہت چونک پڑا۔

”ہوں!۔۔ تو تم مجھ سے اپنے آپ کو خفیہ رکھنا چاہتے ہو۔“ اس بار اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی تھا۔ پھر اس نے چند لمحوں کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں اور ایک دم جھٹکے سے کھول دیں۔

”تو تم علم زوجیلہ کے ماہر ہو۔۔ تمہاری ارتکا زکی قوت بھی بہت خوب ہے۔ لگتا ہے کسی بڑے استاد کے شاگرد ہو۔ کیا مجھے اپنے استاد کے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟“ اس بار جوالا پروہت کے لہجے

میں حیرت بہت زیادہ نمایاں تھی۔

”پروہت جی!۔۔۔ مجھے یہ علم میرے دادا نے سکھایا ہے۔ وہ کوئی مشہور انسان نہیں ہیں۔ بس ایک عام سے انسان مگر انہیں کسی نے اس علم کے بار میں بتایا تھا۔ وہ اس کا علم جانتے تھے اس لیے انہوں نے مجھے اس کی تفصیل بھی بتائی اور میرے راہنمائی بھی کی۔ بس یہ ہے ساری کہانی۔“ میں نے جان بوجھ کر مختصر انداز میں اپنی کہانی بتائی تاکہ کسی بھی طرح سے وہ میری اصلیت نہ جان سکیں۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔“ جوالا پروہت کی چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس نے میرے بات پر یقین بھی کیا ہے کہ نہیں۔

”جی میں اور زیادہ علوم سیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کی شاگردی میں رہ کر بہت کچھ بننا چاہتا ہوں“ میں نے جلدی سے کہا۔

”مجھے کیا ملے گا؟“ اچانک جوالا پروہت نے تیز لہجے میں پوچھا۔
اور میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”میں آپ کو کیا دے سکتا ہوں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
”اگر تم مجھے سونالی کا ایک انڈا لا کر دو تو میں تمہیں ایک ایسا علم بتا سکتا
ہوں جس کی مدد سے تم سارے افریقہ پر حکومت کر سکتے ہو۔“ جوالا
پروہت کی لہجے میں بدستور عیاری نمایاں تھی۔ سیڈھا سونالی کی نام پر
بری طرح چونک پڑا تھا۔

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کہاں ملے گا؟“ میں نے لاشعوری طور پر پوچھا۔
”پتہ نہیں۔۔۔ اس کا پتہ کرنا تمہارا کام ہے۔ تم مجھے یہ انڈا لا دو
اور جو بولو گے میں تمہیں وہ سیکھاؤ گا۔“ جوالا پروہت نے بڑے
فراخ دلانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”مگر اس کے بارے میں کچھ تو بتائیں۔ یہ کہاں ملے گا یا میں اسے

کہاں پر تلاش کروں؟“ میں نے حیرت میں ڈوبے ہوئے کہا۔
 ”بس اتنا جان لو۔۔۔ کہ سونالی ایک ایسے جانور کا نام ہے جو زیر
 زمین رہتا ہے۔ کم از کم دس میل کی گہرائی پر۔ اگر وہ اس سے اوپر
 آجائے تو ٹھنڈ سے مر جائے۔ اس کے جسم کو بہت زیادہ گرمی کی
 ضرورت ہوتی ہے جو زمین کی اندرونی تہوں میں ہی مل پاتی ہے۔
 اس کو تلاش کرنے کے لیے تمہیں زمین کی تہوں میں جانا ہوگا اور پھر
 اس کا پیچھا کر کے اس کا انڈہ چرا کر لانا ہوگا۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ
 یہ کوئی آسان کام نہیں ہے مگر تمہیں علم زو جیلہ پر عبور حاصل ہے اور پھر
 تم ارتکا ز توجہ میں بھی کمال رکھتے ہو۔۔۔ ان دونوں کی موجودگی میں
 مجھے یقین ہے کہ تم اس کو حاصل کر سکتے ہو۔“ جوالا پروہت نے
 تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ میں یہ انڈہ لے کر آؤں گا اور آپ مجھے اپنی

شاگردی میں لے کر مجھے مزید طاقتور بننے میں مدد کریں گے؟“ میں نے کچھ سوچ کر کہا اور پھر ایک بار ان سے وعدہ لینے کے غرض سے اسے دہرایا۔

”ہاں!۔۔۔ میں تمہیں زبان دیتا ہوں۔ اور یاد رکھو۔۔۔ جو الاکبھی اپنی زبان کے خلاف نہیں جاتا۔“ جو الا پروہت نے بڑی سنجیدہ انداز میں کہا۔

اتنے میں ایک دروازہ کھلا اور چند حسینائیں ایک طاق میں کچھ شربت کے گلاس رکھیں اندر داخل ہوئیں۔ ان کو دیکھ کر اور باہر موجود حسیناؤں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ جو الا پروہت حسن کا دلدادہ واقع ہوا تھا۔ بہر حال ہم نے شربت پیا اور پھر کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد اجازت طلب کی۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ اب تم جاؤ۔۔۔ اور دیکھو جب بھی وہ انڈہ حاصل کر

لو۔۔ تو اسی راستے سے یہاں آ جانا جس راستے سے تم آج آئے ہو۔ یہ راستہ تمہارے لیے ہمیشہ کھلا ہوگا۔“ جو الا پروہت نے تاکید کرتے ہوئے کہا اور ہم نے ان کا شکریہ ادا کر کے واپسی کے چل پڑے۔

اس قلعہ نما عمارت سے نکل کر سیڈھا مجھے لیے ہوئے ایک بڑے سے چشمے کی طرف چل پڑا۔ میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر اس نے مجھے اشارے سے منع کر دیا۔ پھر جیسے ہی ہم چشمے کے پاس پہنچے۔ اس نے اپنا رخ اس چشمے کے ماخذ کی طرف کر دیا۔ ہمیں تھوڑا سا پہاڑی راستہ طے کرنا پڑا اور پھر ہم اس آبشار کے سامنے پہنچ گئے جہاں سے پانی نیچے گر رہا تھا۔

”بس ہمیں اس آبشار کو چھلانگ لگا کر۔۔۔ کر اس کرنا ہے۔ یہی واپسی کا راستہ ہے۔ جیسے ہی ہم اس کو کر اس کریں گے۔ ہم واپس اسی

جگہ ہونگے جہاں سے ہم نے یہاں آنے کے لیے چٹان کو پھلانگا تھا۔“ سیڈھانے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ میں چونکہ اس قسم کے تجربے سے پہلے بھی گزر چکا تھا۔ اس لیے بغیر کسی حیرت کے رضا مند ہو گیا۔ پھر ہم دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ایک زور دار چھلانگ اس آبشار کی طرف لگا دی۔ جیسے ہی ہمارے جسموں نے اس آبشار کے پانی کو کراس کیا ایک جھٹکے سے ہمارے ارد گرد ماحول تبدیل ہو گیا اور ہم نے اپنے آپ کو اسی جگہ کھڑے پایا جہاں چٹانی راستے سے ہم اس میں داخل ہوئے تھے۔

سیڈھا مجھے لیے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔ ”تم نے بغیر کچھ سوچے سمجھے سونالی کے انڈے کو لانے کا وعدہ کر لیا“ سیڈھانے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

”تو اور میں کیا کرتا۔۔۔ مجھے پروہت جی سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔“

اور انہوں نے اس کے لیے یہ شرط رکھ دی۔ اب تم ہی بتاؤ میں اور کیا کرتا؟“ میں نے بے چارگی سے کہا۔

”جانتے ہو۔۔۔۔۔ سونالی کا انڈہ آج تک کوئی انسان چرا نہیں سکا ہے۔ مجھے ایک دفعہ خود پر وہت جی نے ہی بتایا تھا کہ جب سے نسل انسانی اس دنیا پر قائم ہوئی ہے۔۔۔ بہت سوں نے کوشش کی مگر اس انڈے تک کوئی نہ پہنچ سکا۔“ سیڈھانے اپنی معلومات مجھے بتاتے ہوئے کہا۔

”جو بھی ہو۔۔۔ اب دیکھا جائے گا۔“ میں نے پر عزم لہجے میں کہا۔

اتنی دیر میں ہم جھونپڑی کے سامنے پہنچ گئے۔ جیسے ہی ہم نے جھونپڑی کے اندر قدم رکھا اچانک کسی نے پیچھے سے ہمیں اندر کی طرف دھکا دیا۔ ہم اس دھکے کی وجہ سے اوندھے منہ اندر جا گرے

اور ایک دم ہمارے اوپر ایک جال پھینک دیا گیا۔ میری چھٹی حس نے فوراً ہی خطرے کی گھنٹی بجادی۔ کیونکہ یہ جادوئی جال تھا جس سے میرا پالا پہلے بھی ایک بار پڑ چکا تھا۔

”تم کیا سمجھتے تھے کہ جوشو پر حملہ کر کے یوں آسانی سے بھاگ سکو گے؟“ ہمارے کانوں میں منحوس جوشو کی آواز پگھلائے ہوئے سیسے کی طرح اترتی چلی گئی۔